یہ ایک تیسرے خاندان تورانی سے متعلق ہے جس کی شاخیں ہنگری
تامل۔ تلیگو۔ جاپانی۔ چینی۔ تبتی۔ اور جنوبی افریقہ کی زبانیں ہیں۔
جب تاتاریوں نے عربی کی ایرانی سلطنت کو دبالیا تو فارسی میں ترکی کی
الفاظ بھی شامل ہوگئے خصوصاً ہندوستان میں تو ترکی ہی خاندان کے
بادشاہوں نے سلطنت جمائی۔ اور انہیں کے خاندان پر ختم ہوگئی لیکن ترکی
الفاظ کی افراط اس وجہہ سے نہ ہوئی کہ ترکوں کے عہد میں درباری زبان
ہمیشہ فارسی ہی رہی۔
انگریزی۔ یہ بھی مثل فارسی یا اُردو کے مرکب زبان ہے جس میں
بعض یونانی۔ لاطینی۔ الفاظ شامل ہیں جس طرح فارسی میں عربی یا ہندی
میں سنسکرت مگر ہمارے طالب علموں کو صرف اس قدر جان لینا
کافی ہے کہ اس کا تعلق آرین خاندان سے ہے۔ اور جو رشتہ فارسی
کو سنسکرت کے ساتھ تھا وہی انگریزی کو ہے علمائے زبان نے ایک
بڑی تعداد اُن الفاظ کی دریافت کی ہے جو تمام آرین زبانوں میں مشترک
پائے جاتے ہیں۔ اور نہ صرف الفاظ ہی میں اتحاد و اشتراک پایا گیا بلکہ
آرین زبانوں کے جملوں کی ساخت اور اجزا ء جملہ کی ترکیب و ترتیب
میں بھی مطابقت ثابت ہوئی ہے۔
ذیل میں چند ایسے الفاظ نقل کیے جاتے ہیں جن سے معلوم
ہوگا کہ سنسکرت۔ فارسی۔ اور انگریزی۔ یہ تینوں ایک ہی کمیت
کے گھوڑے اور ایک ہی باٹ کے روڑے ہیں جن کو وطن کے
اختلاف اور زمانہ کے انقلاب نے اجنبی بنا دیا ہے۔

سنسکرت	فارسی	انگریزی	سنسکرت	فارسی	انگریزی
پِتر	پدر	فادر	بدھوا	بیوہ	وِڈو
دُہتر	دختر	ڈاٹر	استھا	استاد	اسٹینڈ
وِد	وَد	وِٹ = دانشمند	یوگ	یوغ	یوگ = جوا
بھراتر	برادر	برادر	شراکرا	شکر	شُگر
نوین	نوا	نیو	۔	نام	نیم

انگریزی کا میل اُردو زبان میں بالکل فارسی وہندی کی نظیر پر شروع ہوا ہے لیکن انگریزی کے رواج کو انگریزی قوم کی تجارت سے۔ گورنمنٹ کے صیغہ تعلیم سے اور نیز چھاپہ اور اخبارات سے ایسی زبردست مدد ملی جو فارسی کو نصیب نہیں ہوئی تھی۔

متفرقات۔ اب ہم باقی الفاظ کو جو اُردو میں شامل متفرقات میں شمار کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کی تعداد قلیل ہے۔ ان میں سے بعض تو ہندوستان ہی کی دوسری زبانوں کے ہیں۔ مثلاً **پنجابی بنگالی** وغیرہ اور بعض یورپ کی زبانوں کے ہیں اور یہ ان قوموں کی یادگار ہیں جنھوں نے مثل انگریزوں کے ہندوستان کی تجارت شروع کی تھی۔ اور حکومت حاصل کرنے میں بھی زور لگایا تھا +

لفظ	نام زبان	لفظ	نام زبان	لفظ	نام زبان
نیلام		پادری		گرجا	
تولیہ		بمبو		پاگل	

فصل (۴) اُردو کی ترقی

(۱) اُردو تحریری زبان بن گئی

اگرچہ عہد شاہجہانی یا کچھہ پیشتر سے شہروں میں اُردو زبان کا روزمرہ ہوگیا تھا مگر نہ تو سرکاری دفتروں میں نہ عام خط و کتابت میں اس کو جگہ ملی البتہ شاعری نے جو اس زمانہ کا ایک عالمگیر مرض تھا پہلے پہلے اس زبان پر توجہ کی نظر ڈالی اور جو کچھہ شاعروں نے نظم کیا اس کو محفوظ رکھنے کی غرض سے بیاض و سفینہ میں لکھہ لیا۔ تذکرہ نویسوں نے ولی گجراتی کو جو عہد عالمگیری میں تھا سب سے پہلا شاعر اُردو قرار دیا ہے غالباً اس شہرت کی یہ وجہہ ہے کہ اوّل اسی شاعر نے اُردو غزلیات کا دیوان مرتب کیا تھا۔ رفتہ رفتہ قصّے افسانے اور مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ اور فقہ کے رسائل بھی اس میں تصنیف و تالیف ہونے لگے یہاں تک کہ قرآن مجید اور حدیث و تفسیر کی کتابیں بھی ترجمہ ہوئیں۔

(۲) اُردو درباری زبان بن گئی

سنہ ۱۸۳۲ء سے سرکار انگریزی نے تمام عدالتوں میں بجائے فارسی کے اُردو کو قایم کیا۔ اور ادونے درجہ کی تعلیم کے مدارس جو گورنمنٹ کی طرف سے جاری کیے گئے۔ ان میں بھی تعلیمی زبان اسی کو قرار دیا۔ اور اس ذریعہ سے ان علوم و فنون کی کتابیں تالیف و ترجمہ ہوئیں جو داخل درس تھے۔

فصل ۵۔ اُردو کا طرز انشا بدل گیا

سنہ ۱۸۵۷ء کے بعد ایک نیا زمانہ ہندوستان کی تاریخ میں شروع ہوتا ہے

جس نے بہت جلد کایا پلٹ دی ہے۔

گورنمنٹ کا صیغہ تعلیم ترقی پا رہا ہے۔ یوروپین خیالات کی ٹھنڈی ہوا چلی آتی ہے پورانی تعلیم اور پورانے خیالات روز بروز دلوں سے ڈھلتے جاتے ہیں +

دلی اور لکھنؤ کے وہ دونوں گھر برباد ہو چکے ہیں جو نازک خیال اور شیریں مقال مدحت شعار و خوشامد نگار شاعروں کے لیے کعبۂ امن و امان تھے اب نہ وہ سر ہے نہ وہ سودا۔ نہ وہ راگ ہے نہ وہ ٹھانٹ۔ عاشقانہ غزلخوانی اور جھوٹی جادو بیانی قبر میں پانو لٹکائے بیٹھی ہے۔ لیکن جس قدر اس منحوس شاعری کا زور گھٹا ہے۔ اسی قدر نثر میں جان پڑ گئی ہے۔ اُردو اخباروں کی تہذیب و ترقی کے ساتھ ساتھ اُردو نثر بھی پر معنی اور پُر زور ہوتی جاتی ہے۔

انگریزی آرٹیکلوں اور کتابوں کے ترجموں نے انگریزی طرز انشار کا سایہ اُردو پر ڈال دیا ہے۔ اب اخباروں اور قصے کہانیوں میں وہ بیہودہ قافیہ بندی جو لکھنؤ والوں کا خمیر تھا اور جس کے شکنجہ میں محاورے اور مضمون کی مشکیں خونی مجرم کی طرح کسی جاتی تھیں۔ خود اُسی کا قافیہ تنگ ہے۔ بیدل اور ظہوری کی تقلید کرنے والے کوچ کر گئے ہیں۔ میرزا سرور کے فسانۂ عجائب پر مکھیاں بھنکنے لگی ہیں سرکاری مراسلت اور باہمی خط و کتابت کے پیروں نے غلامانہ القاب و آداب کی بیڑیاں کٹ گئیں۔ توسن خامہ اور شب دیز قلم کو اگاڑی پچھاڑی لگا دی گئی ہے۔ اب وہ پہلے زمانہ کی سی کودپھاند نہیں کرتے +

اب سادہ سلیس اور معنی خیز عبارت کا رواج ترقی کر رہا ہے۔ وہ خیالی تشبیہیں اور مبالغے جن کا سنبھالنا پنجاب کے عمامہ اور لکھنؤ کے پاجامہ کی

طرح سخت و دشوار تہا اس زمانہ کی انشا سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ اگرچہ بہت کچھ ہوا اور ہو رہا ہے مگر ہمارے علم ادب کو ابہی بہت سی منزلیں تہذیب و ترقی کی طے کرنی باقی ہیں +

سنسکرت	فارسی	یونانی	لاطینی	جرمن	انگریزی	اُردو
پِتر	پدر	پَتر	پَتَر	وتر	فادر	باپ
استہا	اِستاد	استمی	اِستو	استھی	اسٹینڈ	کھڑا
یوگ	یوغ	زگیس	جوگم	جوچ	یوک	جُوا
وِد	وَد	فیڈو	وڈو	وسی	وٹ	دانشمند
	تندر				تھنڈر	
	نرسک				فزیشن	
براتر	برادر				برادر	
بدہوا	بیوہ				ورڈو	
	مادر				مدر	
دُہتر	دختر				ڈاٹر	
شراکرا	شکر				سگر	
اشٹ	ہشت				ایٹ	
اشٹ	اشتر					
بھوم	بوم					
نوین	نَو				نیو	
	نام				نیم	

چونکہ مختلف ضرورتوں سے مختلف گروہوں نے نثر کو ترقی دی ہے

اس لیے ہر فرقہ کی تحریر میں اس کی جداگانہ کیفیت ہے اس لیے ہم اسکی قسمیں قرار دے کر ہر قسم کا حال جدا جدا بیان کرنا چاہتے ہیں۔

۱- مولویوں کی نثر-
۲- سرکاری دفتروں کی نثر
۳- قصے کہانیوں کی شاعرانہ نثر
۴- سررشتہ تعلیم کی نثر-
۵- اخباروں کی نثر-

ہمارے مولویوں کی اُردو بیشتر بے محاورہ ہوتی ہے وہ شاید اس زبان کے اصول کیطرف توجہ کرنا کسرِشان سمجھتے ہیں اکثر ان کے جملوں کی بناوٹ عربی سے مشابہ ہوتی ہے صرف مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی کا مشہور ترجمہ قرآن مجید البتہ اس سے مستثنٰی ہے۔ خیر ترجمہ کرنے والے توکسی قدر معذور خیال کیے جاسکتے ہیں مگر بعض بزرگوار تو اپنی تالیف و تصنیف میں بھی یہی غضب ڈھاتے ہیں۔

سرکاری دفتروں کی اُردو بھی کیسی قدر بے ڈھنگی ہوتی ہے۔

محمد اسمٰعیل- میرٹھی

لڑکیوں کی انشا- حامیان تعلیم نسواں کی عرصہ سے خواہش تھی کہ کوئی انشا لڑکیوں کے واسطے مولوی محمد عبدالرشد صاحب الخیری کی قلم سے نکلے بلطف زبان کے واسطے کچھ لکھنا بے سود ہے۔ ہر خط ایسا موثر ہے کہ ایک ایک حرف کلیجہ پر گڑتا ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول ڈاک - ناظرین عصمت و تمدن سے آٹھ آنہ - (۸ر)

منیجر عصمت و تمدن دہلی سے طلب کیجیے

شبنم

برگِ صافِ گُل پہ عکسِ خوشۂ پرویں ہے تو ۔۔۔ سچ بتا یا چاکِ گُل کا تکمۂ سیمیں ہے تو

ہے حبابِ شیشہ یا ہیرے کا کوئی ریزہ ہے ۔۔۔ یا کسی معشوق کے تو کان کا آویزہ ہے

بیچ میں تجھکو لئے ہے برگِ غنچے کی حریم ۔۔۔ یا شرار میں ہے اک رکھا ہوا ناقوسِ سیم

دامنِ نرگس میں تیرے گوہرِ شہوار ہیں ۔۔۔ یا میانِ صحنِ میخانہ ڈٹے میخوار ہیں

شاہدِ گُل کی انگوٹھی کا نگینہ ہے کوئی ۔۔۔ یا کفِ ساقیِ گُل پر آبگینہ ہے کوئی

تو کوئی نقطہ ہے تحریرِ کتابِ حُسن کا ۔۔۔ یا شرارہ ہے کوئی تو برقِ تابِ حُسن کا

فصلِ گل میں بزمِ مُل کا تو کوئی پیمانہ ہے ۔۔۔ سچ بتا یا خرمنِ مہ کا تو کوئی دانہ ہے

شاہدِ گُل کی جبیں کا قطرۂ افشاں ہے تو ۔۔۔ کشتیِ غنچہ کا یا اک لنگرِ رخشاں ہے تو

ہے جوانانِ چمن کا خندۂ دنداں نما ۔۔۔ بزمِ گل میں یا ہے آویزانِ طوری قمقمہ

کودکِ غنچہ کے سر پر رکھی ہے بانکی کلاہ ۔۔۔ نصب ہے شبگیرِ مہ کے واسطے یا میل راہ

سچ بتا آویزۂ غنچہ میں ہیرے ہیں جڑے ۔۔۔ یا کسی معشوق کے آنچل میں موتی ہیں جڑے

جوشِ ذوقِ سیلِ بہاری ہے اور اُس کا کف ہے تو ۔۔۔ سچ بتا یا مطربِ بلبل کا کوئی دف ہے تو

آتشِ گُل پر ہوا سیماب کا کیونکر قیام ۔۔۔ تو بہ محفل میں ہے شاید یہ گدازِ سیمِ خام

کرمکِ شبتاب یا سنبل نے کھینچے جال میں ۔۔۔ یا کسی معشوق نے موتی پروئے بال میں

گر پڑا ہے موتیوں کا کوئی مالا ٹوٹ کر ۔۔۔ دستِ ساقی سے گرا یا کوئی ساغر چھوٹ کر

تجھ میں پنہاں رازِ سازِ عشرتِ دیرینہ ہے ۔۔۔ برگِ گُل آئینہ اور تو جوہرِ آئینہ ہے

کون ہے تو، اور ہے تیرا حیّزِ اصلی کہاں ؟

کھینچ لایا آبِ دانہ کس طرح تجھ کو یہاں ؟

بیکس و مظلوم، فریادیِ حسرت ماہ ہوں ۔ میں ہمہ تن آبلہ ہوں، منجمد اک آہ ہوں

ہوں میں شب کی صحبتِ برہم کا جامِ واژگوں ۔ گریہ مجبور رہوں، پایاہے بختِ سرنگوں

ڈالدے مجھکو جہاں افتادگی تقدیر کی ۔ بس وہیں پڑ جائے پیروں میں کڑی زنجیر کی

کیا خبر، میں ہوں مقیم خانہ یا راحل ہوں میں ۔ اس قدر بن جاتا ہوں، عقدۂ مشکل ہوں میں

ہے مری ہستی فنائے عیش و عشرت کی دلیل ۔ کاروانِ گُل کا مجھ کو جانئے کوس رحیل

تم سمجھتے ہو کہ وصلِ گُل سے میں سیراب ہوں ۔ دیکھو آنکھیں کھولکر، میں دیدۂ پُر آب ہوں

چاند نے پھینکا ہے مجھے، سورج نے فوراً لیلیا ۔ یہ سمجھ لو گوئے بازی ہوں میں ہر فرقہ کا

گُل کی ہے سر میں ہوس نے کچھ چمن کی فکر ہے ۔ دست و پا کا ہوش ہے مجھ کو نہ تن کی فکر ہے

سلسلہ بیچینیوں کا میری ہستی کی دلیل

زاریِ ممتد ہوں میں، اک بیقراری ہوں طویل

نیاز فتحپوری

تمدّن اسلام

سلسلہ کے لیے جون سنہ ۱۹۱۱ء ملاحظہ ہو۔

(۴)

جن قوموں کے حالات آپ نے ابتک ملاحظہ فرماتے، اُن کے سوا دنیا کی اور بھی اکثر قوموں نے اسلامی راج کو باج دیا، جنہیں گرج، کرد، آرمنی اہل سسلی، اہل روم، وغیرہ کا شمار کیا جا سکتا ہے، جن کی مفتوحیت کو تو کسی کسی نے جانا، اور بہتوں نے نہ جانا، مگر تمدن اسلام کے انوار سے جب وہ جگمگا اُٹھے تو نہ جاننے والے بھی اُنہیں جان اور خوب طرح پہچان گئے سلطنت اسلام نے اُنہیں دنیا کے کمیل اور ترقی کے رنگ دکھائے۔ تمدن کے ڈھنگ بتائے آخران ہواؤں نے اُن کے دل و دماغ کے ساتھ ایسا کام کیا جیسے ایک پنجلے آدمی سے وہ ایک شوخ طبع رنگین بھی آملیں رات ہو جاندنی اور وہ بھی ٹھنڈی ٹھنڈی تو کھلا ہوا میدان اور مرغزار دیکھ کر اُن کا دل خواہ مخواہ مچل ہی اُٹھے گا کہ کچھ جلت پھرت ہو۔ یہی مواقع اُن مفتوحہ اقوام کو بھی حاصل تھے۔ لہذا خواہش پرواز ہر دل میں لہریں لینے لگی۔ اور ہر شخص اپنے بازوؤں کی طاقت بھر اُڑان پر جانے لگا۔ بالآخر اس کوشش اور سعی کے عام مذاق نے (جو پہلے تو مقابلہ کے جوش اور دیکھا دیکھی سے پیدا ہوا تھا مگر پھر وہی رنگِ طبیعت طبیعت بن گیا) اُن کی حالت میں ایک انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ اُن کی نیچرل استعداد پر اس باب کی مساعدت نے وہ رنگ و روغن دیا

کہ اُن کی اگلی اور پچھلی حالتیں خود کفر و اسلام کے فرق کا معیار بن گئیں،
اُن کے ساعی مشکور، اور اُن کے خرابے معمور ہونے کی چند تاریخی نظائر پیش کرنے کی ہم ناظرین سے معافی چاہتے ہیں، اور بنظر سہولت انہیں ذیل کے نقشہ میں دکھاتے ہیں،

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	کیفیت
۱	ملک الافضل	معمولی درجہ کا ایک آرمنی شخص تھا،	تدریجاً کمانڈر انچیف افواج کے درجہ تک پہونچا	
۲	بدر	خلیفہ معتضد باللہ کا غلام تھا	فیلڈ مارشل کے درجہ پر فائز ہوا۔	مزید براں یہ اعزاز بھی حاصل ہوا کہ فوجی نشانوں کے پھریروں، اور سرکاری فوجی اسلحہ پر اسی کے نام کا معرکہ ہوتا تھا،
۳	صلاح الدین	اس نے قوم کرد میں جنم لیا۔ فوج میں آکر نوکر ہوا	پھر ایک فوجی سپاہی سے بڑھتے بڑھتے۔ سلطان صلاح الدین بن گیا۔	یورپ کی تمام متحدہ طاقتوں سے بیت المقدس کے لیے ایک عرصہ تک ہنگامہ آرا رہا مسلمان تو مسلمان ہیں یورپ میں عیسائیوں کا بچہ بچہ سلطان صلاح الدین کے نام سے واقف ہے

(دہلی)

جہاں یہ مسئلہ طے ہو چکا کہ تعلیم نسواں ترقی کا پہلا راز ہے وہاں اکثر بزرگان قوم نے یہ بھی مان لیا ہے کہ خواتین کے مطالعہ کے واسطے عصمت ایک نعمت ہے جس میں دینی اور دنیوی دونوں قسم کی فلاح و بہبودی ملحوظ ہے۔ کنواری لڑکیوں کے واسطے عصمت سے بہتر سہیلی عصمت سے بہتر شفیق رفیق عصمت سے بہتر ناصح صلاح کار ملنا ممکن ہے؟ عصمت اُن کو بتائیگا۔ کہ کنوارپنے کی زندگی اُن کو کس طرح گزارنی۔ ماں۔ باپ کا ادب بہن بھائیوں کی خدمت۔ بڑوں کی تعظیم چھوٹوں سے محبت ان کا فرض منصبی ہے جس نئی دنیا میں اُن کو شامل ہونا ہے اُس کے لیے اُنہیں کیا تیاری کرنی ہے جو جو دقتیں اُن کو پیش آئیں گی اُن کو کس طرح رفع کرنا ہے۔ ساس نندوں کے ساتھ اُن کے تعلقات کیسے ہونے چاہییں غرض ان کی آئندہ زندگی کو تمام خطرات سے بچا کر پر لطف با اطمینان بسر کرانے کے واسطے عصمت سے بہتر ذریعہ اور کوئی نہیں ٭

بیاہی ہوئی لڑکیوں کو خانہ داری۔ گھر کے حساب کتاب۔ بال بچوں کی پرورش میں سب سے زیادہ جس چیز سے مدد مل سکتی ہے وہ عصمت ہے۔ عصمت اُن کو بتائیگا کہ جس آمدنی کو وہ بے دغل و غش خرچ کر رہی ہیں وہ کس محنت و مشقت سے پیدا کی گئی ہے۔ جو بچے قدرت نے اُن کے سپرد کیے ہیں اُن کی ذمہ داریاں اُن پر کیا کیا ہیں۔ کیا طریقے ہیں جن سے یہ بچے پل بڑھ کر جب گھر بار والے ہوں گے تو عزت سے زندگی بسر کریں گے اور عمر بھر اپنی ماؤں کو دعائیں دیں گے۔ عصمت بتائیگا کہ انہیں گھر کس طرح کرنا ہے۔ روپیہ کس طرح صرف کرنا ہے۔ خاندان کے ساتھ کیونکر بسر کرنی ہے۔ غرض عصمت لڑکیوں کو سچ مچ کی بیگم بنانے لگا۔

ٹائیٹل پیج کی آب و تاب سنہری بیل درجہ اعلیٰ کا کاغذ۔ ہاف ٹون تصاویر تنہائی میں دل بہلانیوالا۔ فرصت میں کہانیاں سنانیوالا۔ مذہب کی وقعت بتانیوالا عصمت سے بہتر ذریعہ اور کیا ہوگا۔ عصمت کا ایک ایک حرف گوہر آبدار ہے۔ ہر مہینے (۶۴) صفحے کا رسالہ کوڑیوں کے مول موتی ہیں۔ سالانہ قیمت ۳ روپے

منیجر عصمت و تمدن

(دہلی)

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	کیفیت
۴	بجکم	کسی خلیفہ بغداد کا غلام تھا	امیر الامراء کے درجہ پر فائز ہوا تھا۔	یہ درجہ دولت عباسیہ کے اعلیٰ ترین درباری عہدوں سے تھا
۵	جوہر	ایک رومی غلام تھا	فاطمیین مصر کا نامور سپہ سالار فوج	اس نے مصر میں فاطمیین کی سلطنت قایم کی، اور چوتھی صدی ہجری کے وسط میں قاہرہ کی بنیاد ڈالی، خلیفہ معز کی اولاد نے اس کا یہانتک اعزاز و احترام کیا کہ فتح مصر کے ارادہ سے جب وارد مصر ہوا تو انہوں نے پاپیادہ دور تک جاکر اس کا استقبال کیا،
۶	کافور الاخشیدی	حبشی غلام تھا	مصر میں بڑے زور شور سے حکومت اس نے کی	سنہ ۳۵۵ ہجری اسکی حکومت کا سنہ آغاز ہے،
۷	مونس	کسی مسلمان بادشاہ کے خدام میں سے تھا۔	خود مختار والی ملک بنایا گیا	کاروبار سلطنت میں ابتدار سے اس کا دماغ خوب کام دیتا تھا، انتظامی قوت اور سیاسی قابلیت نے کام بڑھادیا، اور خود مختاری کی حکومت مل گئی۔
۸	برجوان	ایک معمولی شخص تھا	خلیفہ عزیز باللہ و حاکم بامر اللہ فاطمی کے عہد میں	فاطمیین مصر کے دربار کا سب سے پہلا خطاب پانیوالا یہی ہے۔

سلسلہ	نام	ابتدائی حالت	درجہ ترقی	کیفیت
			منصب وزارت سے گرانقدر کیا گیا، اور امین الدولہ کا خطاب ملا۔	
۹	قراقرش الطواشس	ایک معمولی شخص تھا	وزیر صلاح الدین الیوبی	×
۱۰	عمید الملک	"	ترکوں کا ایک بڑا نامور جنرل	×
۱۱	شتیم	کسی کا خادم تھا	بنی طولون کے عہد میں مصر و شام کے ڈاکخانہ جات کا افسر اعلیٰ ہوا۔	×
۱۲	موتمن الخذفتہ	"	دولت فاطمیہ کا مشہور وزیر تھا۔	×

یہ اسی طرح کی بے شمار مثالیں ادنیٰ حالت سے ترقی کرکے اعلیٰ درجہ پر پہنچنے کی خلافت اندلس۔ عہد سلاجقہ اور دیگر دول اسلام کی پیش کی جاسکتی ہیں تاریخ جن سے بھری پڑی ہے ✣

اسلام کا مشن

ان تمدنی حالات سے اگر تھوڑی دیر کے لیے قطع نظر کر لی جائے، اور اجتماعی (سوشل) حالات پر تاریخی وثائق کی امداد سے نظر ڈالی جائے تو اسلام کی زبردست روحانی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے جسکی وجہ سے معتقدات باطلہ کو شکست اور تحقیق کو رواج ہوا۔

سب سے پہلے اسلام نے مسئلہ "ذات باری تعالیٰ" اور "واجب الوجود" کی تحقیق کی، کیونکہ دنیا اس منزل کی تلاش میں بہت ٹھوکریں کھا چکی تھی اور پھر بھی ایسے غلط راستہ پر جا رہی تھی کہ ماسوی اللہ عالم کا ہر ذرہ اُس کا معبود اور مرجع انقیاد و عبادت بنا ہوا تھا، اُس نے ان گم گشتوں کو اِس آواز غیب سے خبردار کیا،

دوہی ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اُسی کے ہیں فرمان اطاعت کے لائق اُسی کی ہے سرکار عبادت کے لائق

جھکاؤ تو سر اوس کے آگے جھکاؤ
لگاؤ تو بس لَو اُسی سے لگاؤ

یہ اور اسیطرح مسئلہ رسالت اور پھر آخرت وغیرہ کی کنہ سمجھائی، اور دین کے ساتھہ ساتھہ دنیا کا انتظام بھی بتایا،

غرض دنیاوی امور میں اُس کے عقلی فیصلے، اور مذہبی مسائل میں اُس کے سہل اور آسان شرائع ایک عالم کی نظر میں ایسے سُہانے کہ

ہوا کعبہ آباد سب گھر اُجڑ کر
جمے ایک جا سارے دنگل بچھڑ کر

طریق اشاعت

دنیا میں کسی مذہب یا کسی فرقہ کے خیالات کی اشاعت کے عموماً دو طریقہ سائج تھے بزور شمشیر اشاعت ہوتی تھی یا مشنریوں کی

فریب کاریوں سے۔ مگر دراصل ان دونوں طریقوں سے شائع کیے ہوئے خیالات اور مذاہب اپنے متبعین کی راسخ الاعتقادی کے ذمہ دار ہرگز نہیں ہو سکتے۔ جب تک کہ خود مذہب یا اُس خیال میں کوئی الہامی طاقت یا ارتقائی رُوح نہو۔ کیونکہ جس فریب اور عارضی اثر کی سطح پر اُس کا پایہ قایم ہوگا اُس کے زائل ہوتے ہی عمارت بھی اُکھڑ جائے گی۔

چنانچہ اسلام نے اپنے دوسرے زرین اصولوں کی طرح طریق اشاعت میں بھی ان جبری اصولوں سے کہیں کام نہیں لیا، (اگرچہ اس مقام پر وہ[1] صورت معترضین کی نگاہ میں کھٹکے گی جو مفتوحہ ممالک میں "لطریق مالفہ الخلہ" قبول اسلام کی پیش کیجاتی ہے مگر یہ یاد رہے کہ اُس "مارشل لا" کے ذمہ دار سیاسی مصالح ہیں نہ مذہب)

اسلام کی اشاعت ہر فرد اسلام کے خود طرزِ عمل سے کی، مسلمان اپنے دنیاوی کاروبار، علمی تحقیق و تلاش، اور فتوحات کے لیے جدھر نکل گئے اپنے کام کے ساتھ اپنے پاک مذہب کی اشاعت بھی کر آئے، اس کے لیے اُن کے پاس چلتے ہوئے منتر محض اُن کے مذہب کا تعلیم کیا ہوا اخلاق، اُن کا بے نظیر تمدن، اور اُن کی معاشرت تھی، اس کے سوا نہ کوئی مشنری تھی، نہ ابلہ فریب واعی اور وکلا تھے،

مگر صد حیف اُن پاک اور مقدس جادۂ صداقت کی راہ پیما، اور روشن ضمیر مسلمانوں کی نیک اخلاق اور نیک اعمال پر کہ اُن کی مساعی کا وہ حصہ

---

[1] اسلام اپنے مفتوحہ اقوام کے سامنے تین باتیں پیش کرتا ہے۔ اسلام لاؤ۔ جزیہ دو ورنہ جنگ کرو؟ مگر یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اس "الٹیمیٹم" میں بھی کس قدر آزاد شرائط پر حصر کیا جاتا ہے، جو اسلامی احکام کی ایک عام خصوصیت ہے ۱۲۔

جس کا تعلق قلب اور ضمیر سے تھا اب تک بھی لہلہا رہا ہے، اور اقطاع عالم مثلاً مصر، شام، عراق، جزیرہ عرب، فارس۔ ہند۔ جزائر بحر محیط ملاکا، بونیو، وسط افریقہ، افریقہ شرقی، زنجبار، ترکستان، افغانستان، چین، امریکہ، آسٹریلیا، اسپین، وغیرہ میں مسلمان باوجود مدافعانہ کوششوں اور سازشوں کے آج بھی اپنا ایک مستقل، اور اقوام عالم پر گراں گزرنیوالا وجود رکھتے ہیں، جو اُسکی روحانیت کا آفتاب سے زیادہ روشن کرشمہ ہے

مگر کیا اس شمار اور اس رُوحانیت پر جو آج محض مسلمانوں کی اعتقادی کفالت کر رہی ہے، قناعت کر لینے سے مسلمان اپنے برگزیدہ اور نامور اسلاف کے خلف، اور اپنے تہذیب و ترقی کے بانی مذہب کے متبع ٹھہر گئے جبکہ اس شمار اور ایمان کی صحیح مثال یہ ہے کہ

طاؤس را بہ نقش و نگارے کہ ہست خلق
تحسیں کنند و او خجل از زشت پائے خویش

ہرگز نہیں! مسلمان مسلمان جب ہیں، کہ وہ علم و حکمت، تہذیب و ترقی، تمدن و اخلاق کے جامع ہوں، کیونکہ اسلام انہیں اجزاء کے مجموعہ کا نام ہے۔ نشأۃ جدیدہ کے کارناموں سے واقف و ماہر ہوں، کیونکہ اسلام تحقیق و تلاش استدراک و استنباط کا حامی اور اور معلم ہے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ"

خان عالی

سلہ اسلامی دنیا کی مردم شماری عیسائی کانفرنس منعقدہ قاہرہ نے تیس کروڑ سے کچھ زیادہ شمار کی ہے ۱۲

خلاصہ نظم اقبال

(جو انجمن حمایت الاسلام لاہور کے جلسہ میں پڑھی گئی)

آشنا اپنی حقیقت سے ہو اے دہقاں ذرا
دانہ تو کھیتی بھی تو باراں بھی تو حاصل بھی تو

آہ، کس کی جستجو آوارہ رکھتی ہے تجھے؟
راہ تو رہرو بھی تو رہبر بھی تو منزل بھی تو

کانپتا ہے دل ترا اندیشۂ طوفاں سے کیا؟
ناخدا تو بحر تو کشتی بھی تو ساحل بھی تو

دیکھ آکر کوچۂ چاکِ گریباں بھی کبھی
قیس تو لیلا بھی تو صحرا بھی تو محمل بھی تو

وائے نادانی کہ تو محتاج ساقی ہو گیا!
مے بھی تو مینا بھی تو ساقی بھی تو محفل بھی تو

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاک غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

بے خبر! تو جوہر آئینہ ایام ہے
تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

اپنی اصلیت سے ہو آگاہ اے غافل کہ تو
قطرہ ہے لیکن مثالِ بحرِ بے پایاں بھی ہے

کیوں گرفتارِ طلسمِ ہیچ مقداری ہے تو
دیکھ تو پوشیدہ تجھ میں شوکتِ طوفاں بھی ہے

سینہ ہے تیرا امیں اس کے پیامِ ناز کا
جو نظامِ دہر میں پیدا بھی ہے پنہاں بھی ہے

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

اب تلک شاہد ہے جس پر کوہِ فاراں کا سکوت
اے تغافل پیشہ تجھ کو یاد وہ پیماں بھی ہے

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیِ داماں بھی ہے

دل کی کیفیت ہے پیدا پردۂ تقریر میں
کسوتِ مینا میں ہے مستور بھی عریاں بھی ہے

پھونک ڈالا ہے مری آتش نوائی نے مجھے
اور میری زندگانی کا یہی ساماں بھی ہے

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

آسماں ہوگا سحر کے نور سے آئینہ پوش — اور ظلمت رات کی سیماب پا ہو جائے گی۔
اس قدر ہوگی ترنم آفریں بادِ بہار — نکہتِ خوابیدہ غنچے کی نوا ہو جائے گی
آملیں گے سینہ چاکانِ چمن سے سینہ چاک — یعنی گُل کی ہم نفس بادِ صبا ہو جائے گی
شبنم افشانی مری پیدا کرے گی سوز و ساز — اس چمن کی ہر کلی درد آشنا ہو جائے گی
دیکھ لو گے سطوتِ رفتارِ دریا کا مآل — موجِ مضطر ہی اسے زنجیرِ پا ہو جائے گی
پھر دلوں کو یاد آجائیگا پیمانِ سجود — ہر جبیں خاکِ حرم سے آشنا ہو جائے گی
نالۂ صیاد سے ہوں گے نوا ساماں طیور — خونِ گلچیں سے کلی رنگیں قبا ہو جائے گی
آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں — محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہوگی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہوگا نغمۂ توحید سے

اقبال

عِصمت۔ جس طرح یہ امر مسلم الثبوت ہے کہ قوم کی ترقی کا انحصار تعلیم نسواں پر ہے۔ اسیطرح اس میں بھی کلام نہیں کہ رسالہ عصمت لڑکیوں کے واسطے ایک بیش بہا نعمت ہے، جس میں خانہ داری تعلیم تربیت۔ مذہب وغیرہ پر منتخب اہل قلم کے مضامین نکل رہے ہیں۔

عصمت کواری لڑکیوں کو فرمانبردار بیویاں۔ اور بیویوں کو سلیقہ شعار گھر والیاں اور سگھڑ مائیں بنانے کے واسطے ایک لاجواب چیز ہے۔ جو بیش قیمت کاغذ۔ اعلیٰ درجہ کی لکھائی چھپائی۔ رنگین ٹائیٹل سنہری بیل اور تصویر سے مزین ہو کر ہر مہینہ شائع ہوتا ہے۔ قیمت سالانہ (عہ)

منیجر عصمت و تمدن دہلی

"ہندوستان کا قدیم ترین شہر"

اُجّین

ہندوستان کے تمام شہروں میں بہ لحاظ قدامت جو امتیازی خصوصیت اُجّین سے وابستہ ہے وہ اُسے موجودہ گئی گذری حالت کے باوجود شائقین یادگار قدیمہ کی نظر میں خاص طور پر موقر اور قابل وقعت بنائے ہوئے ہے۔ زمانہ کے تغیرات کے ساتھ ہندوستان کی آبادی بھی انقلاب کے لازمی اور جبری قانون کے اثر سے محفوظ نہیں رہ سکی لیکن مالوہ کا قدیم دارالسّلطنت۔ راجہ بکرماجیت ایسے علم دوست اور اُلوالعزم فرماں روا کا مستقر حکومت اور کالیداس ایسے زندہ جاوید شاعر کا مولد و مسکن حادثات دنیاوی اور نیرنگی زمانہ کا شکار ہونے کے باوصف اپنی ٹوٹی پھوٹی دیواروں اور خراب خستہ عمارات سے اب بھی گوناگوں دلچسپیوں کا مجموعہ بنا ہوا ہے اس میں شک نہیں کہ زمانے کے دستبرد سے اُس کی شان و شوکت اور عظمت و جلال کی پہلی سی دلآویز کیفیت باقی نہیں رہی لیکن آثار قدیمہ کے جوہریوں کو اب بھی اُس کے کھنڈرات میں وہ بیش بہا جواہر مل سکتے ہیں جن کی آب و تاب اور چمک دمک سے کسی زمانے میں "عروس مالوہ" کا سہاگ قایم تھا۔ انقلاب کے زبردست ہاتھ نے گو اُس کی حالت و حیثیت میں زمین آسمان کا فرق پیدا کر دیا ہے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ یہی اُجّین جو آجکل رنڈاپے کی صعب انگیز زندگی بسر کر رہا ہے کسی وقت میں تمام ہندوستان کی آبادی میں اس درجہ ممتاز تھا جیسے

سہاگن کے زیوروں میں ناک کی نتھ۔

اور خصوصیات سے قطع نظر کرکے دیکھئے تو تاریخ اور قومی روایات کے بموجب اس کی آبادی ہندوستان کی قدیم ترین آبادی ثابت ہوتی ہے اور شاید صرف یہی ایک خصوصیت اُسے تاریخ عالم میں نمایاں درجہ دلانے کے لیے کافی وجہ سمجھی جاسکتی ہے۔ یہ کہنا دشوار امر ہے کہ اُجین کب آباد ہوا۔ تاریخ اس سوال کا جواب دینے سے ساکت ہے۔ البتہ ہنود کے عام یقین کی بنیاد پر اگر اندازہ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ جب سے دنیا قایم ہے اُس وقت سے اُجین آباد ہے۔ یا یوں کہیے کہ دنیا کا سب سے پہلا شہر یہی ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ اس خیال سے جس میں واقعیت سے زیادہ حسن عقیدت کا رنگ پایا جاتا ہے اتفاق کیا جائے لیکن اس سے کم از کم اس کا پتہ ضرور چلتا ہے کہ ہندوستان کی آبادی کے کثیر حصّہ کا اس قدیم و مقدس شہر کی مدت قیام کے متعلق کیا رجحان ہے جس سے لازمی طور سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ اگر اُجین کی عمر اس قدر نہیں جتنی کہ بتائی جاتی ہے تاہم ہندوستان میں اُس کی آبادی بہت پُرانی ہے۔

اُجین جس زمانہ میں واقعی اُجین تھا اُس وقت اس کی شہرت اور عظمت جو رہی ہوگی اُس کا معمولی سا اندازہ اُن تحریروں سے ہوسکتا ہے جو اسلامی و یورپین مبصرین کی سیاحت ہند کی دلفریب داستان کی صورت میں آج بھی علمی دنیا میں کافی طور پر قدر و قیمت کی چیز سمجھی جاتی ہیں۔ اسلامی سیّاحوں میں البیرونی اور ابن بطوطہ نے مجمل طور سے اس شہر کی عظمت و اقتدار کا ذکر کیا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ زمانہ بھی اُجین کے عروج کا اصلی زمانہ نہ تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں

کہ اُس وقت بھی یہ شہر آبادی - تجارت اور اکثر تمدنی و معاشرتی فضائل کے لحاظ سے قابل ذکر چیز تھا -

اُجین کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شروع سے آخر تک انقلابات کا گھوارہ بنا رہا ہے حضرت عیسے (علیہ السلام) سے تین صدی قبل تک اس کے متعلق کوئی قابل اعتبار روایت نہیں ملتی - البتہ اُس کے بعد جبکہ ہندوستان میں موریوں کا دور دورہ تھا اور اُجین بھی اُن کی وسیع و زرخیز سلطنت کے ایک حصہ کے طور پر اُن کی حکومت میں شامل تھا اُس وقت سے بعض مستند باتیں بہم پہونچتی ہیں - موریوں کے زمانہ میں اُن کا یہاں ایک نائب السلطنت رہا کرتا تھا جس کے تحت میں تمام صوبہ مالوہ سمجھا جاتا تھا - اشوک اعظم جس کے مذہبی کارنامے اور جس کی انسانی ہمدردی کی دلچسپ داستانیں اس وقت بھی باخبر اصحاب کے لیے موجب دلبستگی ہوسکتی ہیں اپنے نامور باپ چندرگپت کے عہد میں یہاں کا والیسرائے تھا اور اس خدمت پر وہ اُس وقت تک مامور رہا جب تک کہ چندرگپت کے انتقال کی خبر سنکر تخت سلطنت پر متمکن ہونے کے لیے اُسے ہندوستان جانا نہ پڑا +

بکرماجیت کے عہد میں اُجین کی شہرت و عروج کو گویا چار چاند لگ گئے بادشاہ وقت کی علم دوستی اور معارف پروری نے تمام ہندوستان کے کاملین فن کو اُجین میں جمع کر دیا تھا - یہی زمانہ تھا جب کالیداس جیسے ایوان ڈراما کا اولین معمار کہنا واقعیت کا ظاہر کرنا ہے - اپنے دلپذیر نغموں سے ایک عالم کو محو حیرت بنائے ہوئے تھا - پولٹیکل حیثیت سے اُجین کا جو اقتدار رہا ہو اُس سے قطع نظر علمی حیثیت سے

وہ اُس زمانے میں ہندوؤں کا قصرِ طلبہ یا الف۔ادھا۔علم پروری کا ایک دریا تھا جو بہہ رہا تھا اور تشنہ کاموں کو سیراب کر رہا تھا۔ اِن اُمور کی تفصیل طوالت سے خالی نہیں لیکن مستفسر تاریخ وسیر کی مستند کتابوں کی ورق گردانی سے اپنا اطمینان کر سکتا ہے۔

صوبۂ مالوہ کا صدر مقام اور علم وفن کا مسلم الثبوت مرکز ہونے کے علاوہ یہاں کی سرزمین اہلِ ہنود کے خیال کے مطابق مذہبی تقدس کے اعتبار سے بھی قابلِ تعظیم ہے۔ سپرا ندی بھی جس کے کنارے یہ شہر آباد ہے مقدس سمجھی جاتی ہے۔ الہ آباد اور ہردوار وغیرہ کی طرح یہاں بھی دو چار مذہبی میلے نہایت بڑے پیمانے پر منعقد ہوتے ہیں۔ شیوراتری کے موقع پر ہندو زایرین کا کثیر مجمع ہوتا ہے۔ ماگھہ بیساکھہ اور کاتک کے مہینوں میں ہر سال بڑے میلے ہوتے ہیں۔ جن میں ہندوستان کے اطراف وجوانب سے راسخ الاعتقاد ہندو مذہبی فریضہ ادا کرنے کے لیے جوق درجوق جمع ہوتے ہیں۔ ہر بارہ سال پر سنہاسٹ کا میلہ ہوتا ہے جسکی نوعیت الہ آباد کے کمبہ کے میلے سے ملتی جلتی ہے جس میں لاکھوں آدمیوں کا مجمع ہوتا ہے۔ اُس وقت اُجین کی آبادی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے اور اشنان کے موقع پر ندی کے کنارے نہایت پُر لطف سماں رہتا ہے۔

ہندو معبد گاہوں میں مہاکال کا مندر سب سے زیادہ مشہور جو کوٹ محلہ میں واقع ہے۔ اس کی عمارت زمین کے نیچے بنائی گئی ہے۔ پہلے یہاں ایک داخلہ کا پھاٹک تھا وہ اب نہیں رہا۔ زمین کے نیچے اور عمارت کے اندر اُترنے کے لیے چند زینے طے کرنے پڑتے ہیں اُس کے بعد

مسطح فرش کا کچھ حصّہ طے کر کے پھر زینے ملتے ہیں اور اسی طریقے سے
دو تین بار سیڑھیوں پر اُترنا پڑتا ہے۔ پھر ایک دروازہ نظر آتا ہے۔
جس میں داخل ہو کر چند نشیبی زینے اور طے کرنے پڑتے ہیں اور
اور اُس کے بعد مہا دیو کی مورت سامنے نظر آتی ہے۔ مندر کی موجودہ
عمارت رامچندر نامی دیوان پیشوا نے ۱۷۰۰ء میں بنوائی تھی۔ قدیم
عمارت کی بربادی کا الزام دستور کے مطابق مسلمان بادشاہوں کے سر تھوپا
جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ۱۲۳۵ء میں التمش جب بھیلسہ فتح کر کے اُجین پر
قابض ہوا اُس وقت اُس نے اس مندر کو مسمار کرا دیا اور لنگم دہلی لے کر
چلا گیا۔ اس قدر زمانہ گذرنے کے بعد غالباً اس قسم کے الزامات پر
ردّ و قدح کرنا کوئی مفید نتیجہ مترتب نہ کر سکے گا خصوصاً اس صورت میں کہ
ملک کے ایک خاص طبقے میں اسلامی حکمرانوں کا یہی شعار سمجھ لیا گیا ہو۔

جس جگہ یہ مندر واقع ہے یہاں کسی زمانہ میں نہایت ہیبت ناک جنگل
تھا اور اسے اب تک مہاکال بن کہتے ہیں۔ اس جنگل کی مذہبی حدود
بہت دور دور تک پھیلی ہوئی ہیں اور برج کی طرح ان حدود کے اندر
تمام حصّے مذہبی حیثیت سے یکساں بزرگی رکھتے ہیں مہاکال بن کا
اب زیادہ حصّہ کاشت میں آگیا ہے اور معمولی طور سے جنگل بھی باقی ہے
اُجین سے شمال رُدیہ تقریباً ایک میل کی مسافت پر بھیروں گڈھ کا قلعہ
ہے۔ یہاں ندی کے خوشنما گھاٹ بنے ہوئے ہیں۔ بھیروں کے مندر میں
جاتریوں کا مجمع رہا کرتا ہے۔ یہاں بھی میلا کہ اساڑھ اور کاتک میں ہی
میلے ہوا کرتے ہیں۔ اس جگہ ندی کا سرسبز و شاداب کنارہ گھن دار درخت
سایہ دار کنج اور دیگر قدرتی مناظر خاص دلچسپی کا سامان رکھتے ہیں۔

بھیروں گڈھ کے بالمقابل ندی کے اِس کنارے اجین قدیم کے کھنڈرات ہیں۔ یہاں کالکا کا مندر قابل ذکر ہے۔ کالیداس شاعر کے بارہ میں مشہور ہے کہ جب اُن کی بیوی نے انہیں کاہلانہ زندگی بسر کرنے پر بیحد لعنت وملامت کی تو وہ اسی مندر میں آکر مصروف ریاضت ہوئے اور بالآخر اُن کی عبادت کا صلہ دیوی کی طرف سے گویا یہ ملا کہ وہ فصیح البیان شاعر کی حیثیت سے دُنیاوی اعزاز ومرتبت کے مالک بن بیٹھے۔

یہ کھنڈرات اُجین کی پُرانی آبادی کے نشانات ہیں۔ اس کی تباہی و بربادی کے باب میں قیاس یہ کہتا ہے کہ شاید زلزلے سے یہ سب مسمار ہوگئے۔ یا اغلب ہے کہ سپرا ندی میں کبھی ایسی طغیانی آئی ہو جس کے سیلاب میں یہ تمام آبادی دریا بُرد ہوگئی ہو۔ بہرکیف اب یہ حصّہ بالکل ویران ہے۔ موجودہ شہر اُجین یہاں سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر بجانب جنوب ہے کہتے ہیں کہ اس ویرانے میں اب بھی اکثر بیش بہا جواہرات اور قدیم سکّے یا سونے چاندی کی اشیا معمولی تلاش سے مل جاتی ہیں خصوصاً جب پانی برس کر نکل جاتا ہے اور سطح زمین گرد وغبار سے پاک ہوجاتی ہے تو اس قسم کی چیزیں بکثرت ہاتھ آجاتی ہیں جو آثار قدیمہ ہونے کے اعتبار سے مستقل قدر وقیمت کی مستحق سمجھی جاسکتی ہیں میرے ایک ہندو عنایت فرما مجھ سے کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص خدا پر بھروسہ کرکے یہاں بیٹھ جائے تو وہ کبھی بھوکا نہیں رہ سکتا۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ باقاعدہ تلاش کی جائے تو اس جگہ سے بکثرت نایاب ونادر چیزیں مل سکتی ہیں +

مالوہ کا خطّہ سیکڑوں سال تک اسلامی حکمرانوں کے زیرنگیں رہ چکا ہے

اور یہاں کی مختلف حصص میں اسلامی تمدن کے آثار ابتک بکثرت موجود ہیں
اُجین بھی ان سے خالی نہیں۔ لیکن اُن کی تعداد چنداں زیادہ نہیں اور
اسکی وجہ صرف یہی معلوم ہوتی ہے کہ ہندو راجاؤں کی طرح اُجین مسلمان
فرمانرواؤں کا پایۂ تخت نہیں تہا۔ جب تک مالوہ میں مسلمانوں کی جداگانہ
خودمختار سلطنت نہ قایم تھی اُس وقت اُجین محض صوبہ کا مستقر تھا۔ اور
جب سلاطین مالوہ کا زمانہ آیا تو اُنھوں نے دار الخلافہ ہونے کی عزت
دہار اور پہر شادی آباد مانڈو کو بخشی جہاں کے شاہی مکانات۔ اور
مقابر وغیرہ آج بھی اسلامی تمدن و تہذیب کی زندہ شہادت دینے کو موجود ہیں
مُسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلے قطب الدین کے قدم اُجین میں
آئے۔ اُس کے بعد سلطان شمس الدین التمش نے اسے اپنے
قبضے میں کیا۔ سنہ ۱۵۳۱ء تک یہ سلاطین مالوہ کے تحت نگین تہا۔
بہادر شاہ گجرات نے جب مالوہ پر دست تصرف پہیلایا تو اُجین بھی اس کے
قبضے میں آیا۔ اس درمیان میں بہادر شاہ اور ہمایوں کی معرکہ آرائیاں
شروع ہو گئی تہیں۔ اس بدامنی سے فائدہ اُٹھا کر ملّو خاں نے جو گجرات
کے اُمرا میں سے تہا اُجین کے لیے ریشہ دوانیاں شروع کیں اور
بالآخر اپنے ارادے میں وہ کامیاب ہُوا۔ اُس نے صرف شہر پر قبضہ
پا جانے ہی پر اکتفا نہ کیا بلکہ کچہہ عرصہ تک مالوہ کا خودمختار حکمراں بن کر
قادر شاہ کے نام سے کوس لمن الملک بجاتا رہا۔
سنہ ۱۵۴۲ء میں شیر شاہ سوری اس شہر کا مالک بنا اور سنہ ۱۵۶۲ء میں اکبر
نے باز بہادر کو جو سوری حکومت کے مقرر کردہ گورنر شجاعت خاں کا
لڑکا تھا شکست دیکر اُجین کی تسخیر کی۔ اکبر کے عہد میں اُجین صوبۂ مالوہ

اور سرکار اُجین کا صدر مقام تھا۔ اور یہاں ایک صوبہ دار رہا کرتا تھا۔

اُجین سے تقریباً دو کوس کے فاصلہ پر ایک مختصر گانوں ہے جس کا نام کالیادیہ ہے اُس کو چند مکانات کا مجموعہ سمجھنا چاہیئے۔ یہاں سپرا ندی پر سلاطین مالوہ ایک پُر فضا محل بنا ہوا ہے۔ اس کو آبی محل کہتے ہیں۔ اکثر اسے غوری شاہ کا محل بھی کہتے ہیں۔ اس کی بنا سلطان ناصر الدین بن غیاث الدین خلجی (۹۰۶ھ) کی جدت پسند طبیعت کی شرمندۂ احسان ہے۔ کہتے ہیں کہ سلطان موصوف کے مزاج میں پارہ کا کشتہ استعمال کرنے سے نہایت درجہ حرارت پیدا ہو گئی تھی اس لیے اُس نے یہ محل تعمیر کرایا تھا۔ کہ اس سرد و خنک عمارت کے قیام سے اُس کی طبیعت اعتدال پر رہے گی۔ یہ عمارت ایک چھوٹے سے ٹاپو کی صورت میں سپرا ندی پر واقع ہے۔ عمارت کے اندر کئی حوض ہیں جن میں نہایت سرد پانی ہر وقت موجود رہتا ہے۔ ان حوضوں میں پانی ندی سے آتا ہے۔ لیکن یہ بات کسیقدر حیرت ناک ہے کہ خواہ ندی کا پانی گرم ہو یا سرد لیکن ان حوضوں میں پانی کبھی گرم نہیں رہتا۔ حالانکہ ندی اور حوض ایک ہی سلسلہ میں مربوط ہیں!

سلطان ناصر الدین کے انتقال کے متعلق ایک روایت عام ہے کہ وہ ایک دفعہ اسی محل کے ایک حوض میں گر گیا ایک خادم نے فوراً کود کر بچا لیا اور باہر لایا۔ سلطان نے ہوش آنے کے بعد دریافت کیا کہ مجھے کس نے حوض سے نکالا تھا۔ نام معلوم ہونے پر اُس شخص کے ہاتھ قطع کرا دیے۔ اور اُس کی وجہ یہ بیان کی کہ گویا ان ہاتھوں سے شاہی جسم کو مس کرنا داخل بے ادبی تھا۔ کچھ دنوں بعد ایسا ہی پھر اتفاق

کہ وہ حوض میں گر پڑا لیکن پچھلی بات خدام کو ابھی یاد تھی کسی کو نکالنے کی جرأت نہ ہوئی اور وہ پانی میں ڈوب کر رہ گیا۔

اسی موضع میں ایک مسلمان بزرگ کا مزار مرجع خاص و عام ہے۔ آپ کا اسم گرامی مولانا فخر الدین چشتی ہے۔ آپ کے روضہ کو عام طور پر لوگ خواجہ صاحب کا مقبرہ کہتے ہیں یہاں ایک میلہ بھی ہوا کرتا ہے۔ آپ کے علاوہ اُجین خاص میں مولانا مغیث الدین صاحب قدس سرہ العزیز کا دربار روحانی تسکین حاصل کرنے والوں کے لیے بہترین بارگاہ ہے۔ اُجین اور اطراف میں آپ کے عقیدتمند کثیر تعداد میں موجود ہیں۔

اُجین اسلامی نکتہ خیال سے یوں اور بھی دلچسپی کی جگہ ہے کہ یہاں ۱۶۵۸ء میں وہ جنگ واقع ہوئی تھی جس کی کامیابی گویا اورنگ زیب عالمگیر کے نام ہند کی حکومت کا قرعہ ڈال گئی۔ اصل میدان جنگ کا یہاں سے ۲۔کوس کا بُعد ہے لیکن تاریخوں میں یہ لڑائی جنگ اُجین کے نام ہی سے موسوم ہے۔ فتح آباد ضلع اُجین میں ایک جاگیری موضع ہے۔ اورنگ زیب اور مُراد کی متفقہ افواج نے اسی جگہ جسونت سنگھ والی جودھپور کو جو دارا کی طرف سے میدان جنگ میں آیا تھا شکست فاش دیکر دارا کے استحقاق حکمرانی پر ہمیشہ کے لیے مُہر لگادی تھی۔

سا بھرتن سنگھ والی رتلام جو دارا شکوہ کے معاونین میں تھا اسی لڑائی میں کام آیا اس کی یادگار میں یہاں ایک چبوترہ بنا ہوا ہے اور اب تک رتلام کے شاہی خاندان میں دستور ہے کہ شادی کے وقت کنگن کی رسم یہاں آکر ادا کرتے ہیں اور شاید اسی واقعہ سے راٹھوروں کو اس گاؤں کی حدود میں پانی پینے کی قسم ہے۔

فتح آباد کا قدیمی نام دھرمات پور تھا لیکن اس فتح کے بعد اورنگ زیب نے اسکا نام بدل دیا یہاں شاہنشاہ موصوف کی تعمیر کردہ ایک مسجد اب تک موجود ہے۔ فتح آباد میں ریلوے جنکشن ہے اور تمام۔ اُجین اور اندور کو گاڑیاں یہاں سے ملتی ہیں۔

اُجین کی طرف ایک چیز اور قابل ذکر ہے بالخصوص اس لیے کہ اُس کا تعلق بالواسطہ مسلمانوں تک پہونچتا ہے۔ محمد شاہ کے عہد میں مہاراجہ سوائی جے سنگھ والی جے پور مالوہ کی گورنری پر فایز تھے۔ چنانچہ اُن کے نام سے اس شہر کا ایک محلہ جے سنگھ پورہ اب تک موجود ہے۔ اسے آبادی کا حصّہ غربی سمجھنا چاہیئے۔ یہاں ایک قدیم رصدگاہ تھی جس کی تعمیر اور جس کی شہرت آج مہاراجہ جے سنگھ کا نام دُنیا میں چمکائے ہوئے ہیں بعض لوگ اس رصدگاہ کا بانی مہاراجہ بکرماجیت کو قرار دیتے ہیں لیکن شاید اول الذکر بیان زیادہ قابل اعتبار ہے جے سنگھ ایک علمدوست آدمی تھا اور علمی شغف کیوجہ سے وہ ہر ایسی تجویز کو قوت سے فعل میں لانے کے لیے ہر وقت تیار رہتا تھا جس سے کوئی ذہنی یا دماغی مفاد مترتب ہونے کا یقین کیا جا سکے۔ اس رصدگاہ کا صرف نام باقی ہے۔ البتہ "گوالیار سٹیٹ گزیٹیر" کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض آلات رصد اب تک محفوظ موجود ہیں[1]۔　سیّد محمد فاروقی۔ (شاہپوری)

---

[1] سوائی جے سنگھ جس نے اپنی تمام عمر علوم کے تحصیل میں صرف کی جس نے جنتری کی اصلاح کی اور چند نقشے مرتب کرکے اُس زمانے کے حکمراں شہنشاہ کے نام سے اُس کو موسوم کرکے "زیچ محمد شاہی" نام رکھا اُس کے زمانہ سے قبل اُجین میں ایک دوربین مینار موجود تھا۔ اُس نے اس خیال کو مردود بہ نقشوں کے لحاظ سے ستاروں کے مقامات کا اندازہ مشاہدہ کے خلاف واقع ہوتا ہے۔ دہلی۔ متھرا۔ اُجین بنارس اور جیپور میں پانچ دوربین مینار تعمیر کرائے۔ ان میں کچھ خود اسی کے ایجاد کردہ آلات تھے اُن کے ذریعہ سے خط نصف النہار کا فاصلہ یا اجرام فلکی کا عروج و زوال معلوم کیا جاتا تھا۔
(سویلیزیشن ان انشنٹ انڈیا)

قصیدہ

در نعت سرورِ کائنات علیہ و علیٰ آلہ و صحبہ الف الف صلوٰۃ و سلام و تحیات

ہوا ہے جوش عین شرم میں یہ کس کی الفت کا نکل کر آنکھ سے گوہر بنا آنسو ندامت کا
عرق شرم گنہ سے رخ پہ ہے یا پھول پر شبنم قمر برج شرف میں ہے کہ دل میں داغ حسرت کا
دل پر داغ یا گلدستۂ گلہائے جنت ہے مرا چاک گریباں ہے کہ دروازہ ہے جنت کا
جلا سینے میں دل جس دم گل جنت کی بو آئی دھواں اٹھا جو دل سے سر پہ چھایا ابر رحمت کا
سیہ کاری ہی میری مغفرت کا رنگ ظاہر ہے بنا ہے نامۂ اعمال گیسو حور جنت کا
زیادہ بیم سے امید رکھنی مجھکو لازم ہے عیاں اعداد سے ہے حال قلت اور کثرت کا

مطلع

خیال آیا ہے شاید احمد مرسل کی قامت کا قلم کے قاف میں لغزش ہے قاف قیامت کا
بجا ہے فخر کرنا مجھکو محو ہوں اس کی الفت پر بھرے دم خالق کون و مکاں بھی جسکی الفت کا
یہ جوش عشق تھا دنیا میں جب بھیجا محمد کو خدا نے بہر تسکین رکھ لیا خود سایہ قامت کا
جدا کیا حق سے ہو آپ سے ہو گیا جدا امت الف ہے ایک ہی اللہ کا احمد کا امت کا
قد موزوں کمالات دو عالم کا تھا مجموعہ دکھایا قاف قلت میں تماشا کاف کثرت کا
بجا ہے حشر کے دن ہو گئے ہنگامہ جو سمجھے قیامت میں ہوں آغاز اور انجام انکی قامت کا
دو حرف ہر دو عالم کی طرح ہے کیونکر نہ آسایش کہ میلہ ہے وجود پاک ہی خط ان پہ خلعت کا
گل رخ پر ہے بلبل نخلبند گلشن قدرت گر کن اک دانہ خرمن ہے جسکی کشت قدرت کا

مطلع

نشانِ زیبِ عالم ہے وجودِ پاک حضرت کا — نگینہ جیسے ہوتا ہے سبب خاتم کی زینت کا
رقم ہو وصف کیا اُس آستاں کی عز و رفعت کا — کہ پائیں باغ جس کے سامنے ہے باغ جنت کا
بنایا ذو وجاہت فخرِ کونین اسطرح تجھکو — مشدّد ہاؤ تا میں جسطرح ہو میم ہمّت کا
کہیں کیونکر نہ تیرے قدِّ بالا کو قیامت ہم — کہ انجام اسپہ دنیا کا ہے اور اسپر رسالت کا
دکھایا زورِ صناعی تری خلقت سے صانع نے — بھرا ہے ایک گل میں رنگ سارے باغِ صنعت کا
کچھ ایسا بن پڑا نقشہ ترا نقاشِ قدرت سے — کہ عالم خامۂ قدرت میں ہے انگشتِ حیرت کا
صدف آسا ہے عالم اور اسمیں گوہر ذات تیری ہے — تجھے اللہ نے حاصل بنایا بحرِ قدرت کا
جگر خامے کا شق ہے آج تک صاف اس سے ثابت ہے — بڑی محنت سے نقشہ راست آیا تیری قامت کا
نہے طالع دیا وہ حضرتِ یوسف کو خالق نے — ازل میں جو بچا تھا رنگ تیرے حسنِ طلعت کا
نہ دیں تشبیہ نقشِ پائے والا سے تو بے شبہ — بر آئے ماہ ہالہ ہو بھنور دریائے آفت کا
عیاں شانِ نزولِ وحیِ حق ہے نطقِ والا سے — کہ حق ہے بادشاہ اور تجھکو منصب ہے وزارت کا
شجر ہے ذات تیری ایک گل جسکا بلاغت ہے — فصاحت صیغۂ مشتق ہے مصدر فصاحت کا
دلِ مسلم کو کیا اندیشۂ قعرِ جہنم ہو — کہ اعلیٰ حرز نامِ پاک کا ہے قلبِ اُمّت کا
بہ شکلِ موسیٰ سر چار طرف سے دور کی ظلمت — نکالا مانگ کے مانند کیا رستہ ہدایت کا
ندامت قامتِ بالا سے یہ ہوگی کہ غالب ہے — سمٹکر آئینہ حیرت سے ہوگا دن قیامت کا
نشاں جیسے تضاعف کا الف پر مد ہوتا ہے — نظر تیری عنایت کی سبب ہے عز و رفعت کا
اگر تولیں خدا کی رحمت اور تیری شفاعت کو — نہ اُٹھے ایک پلہ بھی ترازوے قیامت کا
جدا جس لفظ سے ہو حرفِ اصلی ہو وہ بے معنی — تری الفت ہے گویا رکن خالق کی عبادت کا
بشر وہ کیا ہے جو خالی ہو تیرے سوزِ الفت سے — دیا خالق نے جوہر جسمِ ضیغم کو حرارت کا
خدا کے قہر سے کیونکر بچے جو تجھ سے پھر جائے — رہے کب دور ہے محفوظ وہ گھر جو بے جہت کا
نشانِ نعلِ توسن ہے مہِ نو غور سے دیکھو — تری معراج کا منکر جو طالب ہو شہادت کا

تیری در کی گدائی نے کیا ہے بسکہ مستغنی
لقب دیتی ہے مجھکو خود پسندی بدمالت کا

وہ پہونچا منزل مقصد یہ آخر میں ہمایوں کی
بڑھا سنگ فلاخن سے بھی چکر میری قسمت کا

نہیں دولت کا میں خواہاں کہ انجام اسکا ذلت ہے
رقم ہوتا ہی بعد دال دولت ذال ذلت کا

مری قربت تلاش لذت دنیا کی مانع ہے
کہ ہی انداز تحریر ایک حاجب اور حاجت کا

رہوں محفوظ لہو و عیب و نخوت سے تکبر سے
گمان ہوتا ہی لام و عین و نون و تا سے لعنت کا

کری دنیا میں ترا سوز الفت نامور مجھکو
پڑے جو آبلہ سینے میں نقارہ ہو شہرت کا

امید و بیم سے ہو تنگ مثل حرف مدغم میں
کشاکش دونوں جانب کی ثمر ہے نخل کثرت کا

خدا کاش ایسے جینے سی تو مجھکو بے نشاں کر دے
کہ عالم مجھ میں ہو جائے دہان پاک حضرت کا

عطا کر خاک صحرائے مدینہ کی ہوا اسکو
مرا جسم برہنہ تجھ سے ہی مشتاق خلعت کا

یہ صحرائے مدینہ کا بگولا دیکھ کر سمجھوں
کہ برج شرف میں آج کوکب میری قسمت کا

پڑھونگا حشر کے دن جب میں وصف قامت بالا
قیامت میں بپا کر دونگا ہنگامہ قیامت کا

ملے نعت محمد کا صلہ یہ حکم خالق سے
کہ دے جاگیر میں محوی کو رضوان باغ جنت کا

خاکسار دارین محمد حسین محوی لکھنوی

ہم نہایت خوشی سی اعلان کرتے ہیں کہ ہماری محترم بہن مسز محمد الدین صاحبہ خلیقی دہلوی تمدن قسم دوم کے دو پرچہ اپنی ان تی لڑکیوں یا اگروالی بہائیوں کے نام جاری کرتی ہیں جن کی مالی حالت رسالہ کی خریداری برداشت نہیں کر سکتی۔ ہم اس عطیہ پر اپنی عزیز بہن کے اور بھی زیادہ اسلیے مشکور ہیں کہ تمدن کی خدمات کو ہماری بہنوں نے بہی وقعت سے دیکھا۔ اور اسکی ضرورت کو اس لیے کہ اس کا مقصد اعلیٰ حقوق نسوان کی حمایت ہے محسوس کیا

خطابات شاہی

لکھنؤ کی جان سلطان عالم محمد واجد علیشاہ کچھ عجب زندہ دل تھے باوجود اس سلطنت وجاہ وحشمت وشباب کے اس بادشاہ میں غرور اور نخوت جس سے ہزاروں میں بھی کوئی امیر خالی نہیں ہوتا نام کو نہ تھا ؎

گر بدولت برسی مست نگردی مردی

جیسی یہ بڑی صفتیں تھیں ویسی ہی غفلت اور عیش پسندی کا عیب بھی تھا گروہ اپنی ذات کے واسطے تھا یہ عیب ذات تو خدا کی ہے۔ انجام عیش وعشرت کا یہ ہوا کہ سوائے محلات ممتاز کے کئی بیگمیں و بیبیاں زمرۂ متعہ ونکاح میں درآئیں ان کے سوا اور عورتیں بھی جو بوجہ ایجاد پسندی و اختراعات شاہی کے بلقب رئیس اور پریوں کے نام زد ہوئیں۔ ایک عالیشان عمارت بنائی موسوم بہ قیصر باغ کہ جس میں بیگمات بڑے بڑے سامان اور ٹھاٹھہ سے عیش وعشرت رہتی تھیں ہر ایک بیگم کا انوکھہ اور نرالا خطاب لقب ہوش ربا۔ نام دلربا تھا۔

اس سرکار میں جو ڈومنیاں عورتیں تھیں اونکو سرور محفل اور جو ان کے مرد تھے ان کو بہار محفل کہتے تھے۔ ایک میلا ہوتا تھا جس کے سامان تکلفات آرایش اور چوچلے کسی طرح بیان میں نہیں آسکتے جس طرح کا بازار تھا وکاندار اوسی رنگ کے تھے مختصر یہ کہ غریب رنگریز امیر بن گئے۔ بنا اس میلے کی یہہ تھی کہ واجد علی شاہ کی چھٹی کی آرزو پر اُن کی ماں نے لڑکپن میں جوگیا لباس پہنایا تھا اس کی سالگرہ اس لباس سے ہوتی تھی بادشاہ نے عہد سلطنت میں میلہ قرار دیدیا۔ اتفاقات زمانہ سے جب کلکتہ موچہ کھولہ معلب بہ ٹیا برج میں قیام پذیر ہوئے تو اپنی

وابستگی کے لیے یہاں بھی کچھ عجب سامان دلکش مہیا کیے گو اکثر ناشناس ان سب باتوں
کو باعث خلل دماغ جانتے ہیں مگر واقعی امر یہ ہے کہ ایسا دل و دماغ کا بادشاہ
کم گذرا اگر مبالغہ نہ ہو تو یہ کہنا قابل اعتبار ہے کہ گزرا ہے نہ گذرے گا۔ اور یوں تو
فضلنا بعضہم علی بعض۔ مٹیابرج گو قید خانہ تھا مگر یہاں بھی وہی دن عید شب
شب برات جنگل میں منگل جس چیز کا شوق کیا کر کے اعلیٰ درجہ پر دکھلا دیا۔

کیوں نہ ہو ع جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی

طرفہ رنگینی یہ کہ ہر شے کی خطاب کی رعایت ملحوظ خاطر رہی۔ بلحاظ طوالت صرف
چند چیزوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جو خالی از دلچسپی نہ ہونگی ؀

سنہ ۱۲۹۲ھ تک جانوران قفسی کو جو خطابات عنایت ہوئے قابل غور ہیں مثلاً
بلبل زیورِ گل۔ آشنائے چمن۔ عاشق گل۔ گلاب رنگ۔ شب گو۔ شب نوا
شب بیدار۔ شب دولت۔ خوشگو۔ شب صدا۔ خوش صدا۔ خاش نوا۔ شب صوت
زاہد نما۔ پارسا۔ تسبیح گو۔ شب گلو۔ شاہد چمن۔ آرام دل۔ پرصدا۔ راحت دل۔
راحت گوش۔ خوش داستان۔ بیخواب۔ چرخ آشیان۔ شب زندہ دار۔ مخزن الاصوات
فلک آشیان۔ ضو فشاں۔ سوز جگر۔ آرام قلب۔

شاما۔ خدیو پسند۔ فغفور پسند۔ داؤد پسند۔ شیریں پسند۔ انجمن پسند۔ خاقان پسند
اگن۔ دلبر۔ تحفۂ دہر۔ خدنگ۔ ثنا خواں۔ شیریں۔ ستارا ؀

طوطی۔ زرریز۔ شربت۔ لوز بادام۔ سرخ لب۔ لب شکریں۔ گلستاں۔ دُرریز
مینا۔ کاملہ۔ مطربہ۔ مصاحبہ۔ محب نما۔

پپیہا۔ مبتلا۔ عالی۔ آزاد۔ ترانہ خوان۔ عاشق۔
کوئل۔ بادل۔ گیسو۔
ہرلیو۔ فریفتہ۔ حلۂ جان۔ دلریش۔ شیوہ۔ سبز پوشش۔ غنچہ۔ لالہ رخ۔

GOD SAVE

The Empress Mary.

The Crescent P. Works—BARODA.

تمدن

زبان اُردو کی ماہیت

فصل اوّل - وجہ تسمیہ

ہمارے محترم مولوی محمد اسمٰعیل صاحب آجکل زبان اُردو کی ایک مفصل تاریخ تحریر فرما رہے ہیں۔ ہماری درخواست پر مولانائے محترم نے اس کا یہ حصّہ تمدن کو عطا فرمایا ہے۔ جو ہم نہایت شکریہ سے درج کرتے ہیں۔

چونکہ ترکی زبان میں اُردو کے معنی لشکر یا چھاؤنی کے ہیں اس لیے سلاطین مغلیہ کا لشکر تعظیماً اُردوئے معلیٰ کہلاتا تھا۔ جب شاہجہانی لشکر میں اس زبان نے زیادہ رواج پایا تو اس کا نام زبان اُردوئے معلیٰ مشہور ہوا جس کو کثرت استعمال نے آخر کار محض اُردو بنا دیا۔

رفتہ رفتہ تمام اہل شہر اور امرا و شرفا بھی یہی بولی بولنے لگے لیکن انھوں نے اپنی زبان کو لشکر سے منسوب کرنا کسرِ شان سمجھا اور امتیاز کے لیے

اُس کا دوسرا نام ریختہ رکھا جو ریختن سے مشتق ہے اور جس کے حقیقی معنی بکھری یا جھڑی ہوئی چیز کے ہیں مگر اہل فارس کی اصلاح میں اُس زبان کو ریختہ کہتے ہیں جس میں مختلف زبانوں کے الفاظ مخلوط ہوں۔

اِن دونوں ناموں میں سے پہلے ہی کو شہرت نصیب ہوئی اور وہی مستحق تھا کیونکہ اس زبان کے مقام رواج کو ہمیشہ یادولاتا رہیگا۔

دوسرا نام یعنے ریختہ عرف عام نہ ہوا بلکہ خاص لوگوں کی اصلاح رہا البتہ زمرہ شعرا میں لفظ اُردو کی بہ نسبت ریختہ کو زیادہ اعزاز حاصل ہوا۔

ریختہ کے تمھیں اُستاد نہیں ہو غالب کہتے ہیں اگلے زمانہ میں کوئی میر بھی تھا

وہ جو ہے کہ ریختہ کیونکہ ہو رشک پارسی
گفتۂ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے سنا کہ یوں

فصل دوم۔ اُردو کی پیدایش

اگرچہ عام شہرت نے اُردو کے جنم پتّرہ پر عہد شاہجہانی کی مہر لگادی ہے مگر اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ دفعتاً ایسا انقلاب زبان میں ہوا بلکہ جس زمانہ سے شاہان غور کی سلطنت کا جھنڈا ہندوستان میں بلند ہوا اور مسلمانوں کی حکومت و ہمسایگی نے ہندوؤں پر اثر ڈالا اُسی وقت سے ہندی بھاشا میں فارسی کا پیوند لگنا شروع ہوگیا تھا۔

چنانچہ راے پتھورا کے زمانہ کا کبیر چند کوتے۔ عہد بلبن کا ملک الشعرا امیر خسرو۔ لودیوں کے وقت دیدانتی کبیر داس۔ اور دور اکبری کے سخنور یا تُلسی داس۔ سور داس ان سب کے ہندی اشعار میں۔ عربی۔ فارسی۔ الفاظ کی پٹھ دی گئی ہے +

عام باشندوں کی زبان میں تو نہایت آہستگی کے ساتھ ایک تغیر ہو رہا تھا لیکن اس کے برخلاف بادشاہی لشکروں میں جو نہایت متانت کا بیڑا تھا۔ جلد جلد زبان کروٹ بدلتی جاتی تھی۔ ترکی و فارسی بولنے والے سپاہی اور ہندوستانی سودا سلف بیچنے والے دونوں ایک دوسرے کے الفاظ استعمال کرنے لگے اور ایک ایسی بولی پیدا ہوگئی جس میں ہندی افعال کے ساتھ سب زبانوں کے اسمار کا بولنا جائز تھا۔

تاریخ سے اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ اس زمانہ کے مسلمان زبان ہندی جانتے تھے خواہ بضرورت کاروبار سلطنت۔ خواہ اس وجہ سے کہ انھوں نے ہندوؤں کی آبادیوں میں بود و باش اختیار کی تھی۔ خواہ اس وجہ سے کہ بعض کے اہل وعیال بھی ہندی تھے سلطان علاء الدین اور کولا دیی کا رشتہ۔ شہزادہ خضر خاں اور دیول دیی کا پیوند اس امر کی دلیل ہے کہ شاہی خاندان بھی ہندی زبان سے خالی نہ تھا۔

سنہ ۱۳۳۳ء کے اندر ابن بطوطہ افریقی جس نے تمام ایشیا کی سیاحی کا افتخار حاصل کیا ہے۔ محمد تغلق کے دربار میں آیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ جب سلطان نے اس کو عہدۂ قضا پر مقرر کرنا چاہا تو اس نے ہندی نہ جاننے کا عذر پیش کیا تھا۔ گو مسلمان ہندی جانتے تھے مگر اس میں شک نہیں کہ بارہویں سے پندرھویں صدی عیسوی تک کوئی بڑا تغیر زبان میں نہیں ہوا جو اس کا رنگ ڈھنگ بدلتا اور ایک نئے لقب کا مستحق بناتا۔

اس کا سبب یہ ہے کہ جب تک ہندوؤں نے فارسی زبان کی تحصیل پر رغبت نہیں کی اور فارسی کی نوشت و خواند کا چرچا ان میں نہ پھیلا اس وقت تک ہندی زبان میں فارسی الفاظ کی میل جول نہیں ہوئی۔

فارسی زبان پر ہندوؤں کی توجہ کا زمانہ لودیوں کا عہد سلطنت کہا گیا ہے پھر شہنشاہ اکبر کے دور دورہ میں تو ایسی ترقی ہوئی کہ ہندو بھی فارسی دانی کو اپنے عروج کا ذریعہ سمجھنے لگے +

اکبر نے ایسے مدارس کی ترقی میں بڑی کوشش کی تھی جن میں ہندو مسلمانوں کے علم پڑھائے جاتے تھے - اور ہر شخص کی تعلیم اُس کی حالت اور منشا کی موافق ہوتی تھی فیضی کی نگرانی میں ایک دفتر سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کرنے کے لیے قایم کیا گیا تھا - شاہی محلات کو ہندو رانیوں سے زیب و زینت حاصل تھی - اکثر مہمات میں راجپوت سورماؤں کے دستے افواج شاہی کے ہمدم و ہمقدم رہتے تھے - چنانچہ عہد شاہجہانی میں بہادر راجپوت کوہ ہندوکش کی گھاٹیوں اور ممالک بلخ و بدخشاں پر حملہ آور ہوئے ہیں +

یہ مغلیہ سلطنت اس نظر سے بھی ایک نیا زمانہ تھا کہ اس کو مغربی سرحد کے مسلمان قوموں سے چنداں تعلق نہ تھا اور اس لیے نئے گروہوں کی آمد جو ہندی سے ناآشنائے محض ہوتے تھے اب بہت کم ہو گئی تھی -

ادھر تو مسلمان خاندانوں میں فارسی و ھیمی پڑی اُدھر ہندوؤں میں اسکی دھوم دھام بڑھی - اس طرح پر دونوں زبانوں کا امتزاج بہت تیزی سے ہونے لگا اور جو بات کئی صدی میں نہ ہوئی تھی وہ اس ایک صدی میں نمایاں ہوئی کہ عہد شاہجہانی کا ڈھانچ آنا بدل گیا کہ اس کو اُردوی معلی کا خطاب مل گیا - اور اسی طور سے جہاں جہاں سلطنت کے صدر مقام تھے وہاں بھی اس تغیر کا اثر پہنچا -

فصل سوم - اُردو کے عناصر

اس زبان میں اطراف ہند مغربی ایشیا اور وسط ایشیا کی زبانوں کے الفاظ شامل ہیں۔ اور اسی رنگا رنگی نے اس کو ایک نئی زبان بنا دیا ہے۔

اگر تم اُردو کو ایک درخت فرض کرو تو ہندی کو اس کی جڑ پاؤ گے اور عربی فارسی ترکی کو اس کے شاخ و برگ اور پھل پھول سمجھو گے جن سے یہ نونہال ہرا بھرا نظر آتا ہے۔

پس اس کے بڑے عناصر چار ہیں۔ ہندی۔ فارسی۔ عربی۔ ترکی اور آخرکار انگریزی بھی اس کا پانچواں عنصر بنا چاہتی ہے۔

ان کے علاوہ وہ زبانوں کے الفاظ بھی پائے جاتے ہیں۔ مثلاً پنجابی۔ بنگالی۔ مرہٹی۔ فرانسیسی۔ پرتگالی۔ وغیرہ اور بعض مجہول النسل الفاظ بھی آملے ہیں جن کا کچھ پتا نہیں چلتا کہ کس کھیت کے تھوے ہیں۔ مگر عناصر خمسہ کے سوا باقی کی تعداد اتنی قلیل ہے کہ وہ کسی شمار قطار میں نہیں ہیں البتہ ان کو اُردو کی بہیر سمجھنا کچھ بے جا نہ ہوگا +

اب طالب علموں کے لیے زیادہ مفید یہ بات ہے کہ وہ ہر ایک عنصر کا حسب نسب معلوم کریں اور یہ بات جانیں کہ وہ زبان کے کس خاندان سے تعلق رکھتے ہیں اور زمانہ کی گردش نے ان کو کہاں سے کہاں پہنچایا ہے اور ان میں باہم کیا کیا رشتہ اور قرابت ہے +

(۱) سچ بھاشا یہ کوئی خالص زبان نہ تھی بلکہ پراکرت ہندی۔ اور سنسکرت سے مل کر بنی تھی۔ بہت سے سالم اور بگڑے ہوئے الفاظ سنسکرت کے اس میں شامل ہیں +

دُعائے نیم شبی

آنریبل-ایم-سی-(ممبر آف دی کانسل) کچھ عرصہ سے - اُس وقت سے جبکہ وہ کونسل کے ممبر منتخب ہوکر، آنریری مجسٹریٹ کے علاوہ آنریبل اور ایم-سی- بھی ہوگئے- بلاناغہ آدھی رات کے سناٹے میں اپنے دردِ دل کا اظہار کچھ ایسے موثر الفاظ میں کیا کرتے ہیں جو سننے اور غور کرنے کے قابل ہیں :-

"اے پارلیمنٹ اور کونسل کے خدائے صغیر! اے وہ خدا جسکو سوائے دنیاوی ترقی کے پروردگارِ عالم سے کچھ مطلب نہیں! میں اپنے سچے دل کے ساتھ تجھ سے اور محض تجھ سے ملتجی ہوں کہ تو اپنی نگاہ لطف آمیز مجھ ناچیز پر- اپنے بندۂ خاص پر- ڈال! اُرحم و مہربانی آمیز نظر کے ساتھ اُس عظیم الشان اور حیرت انگیز اتفاق کو ملاحظہ کر جس نے مجھے کونسل کے آنریبل ممبر بنجانے کا موقع دیا؛ اور اپنی شانِ عیب پوشی وابلہ نوازی کے صدقہ میں، اپنے دامانِ عنایت میں- اپنے حفاظت اور طرفداری کے وسیع دامن میں چھپالے تاکہ میری جہالت، میری ازسرتاپا ناقابلیت، کسی عیب جو اور نکتہ چین نظر کو بھی نہ معلوم ہوسکے! قسم ہے تجھ کو اپنی قوتِ تکلم کی- اپنی طاقت لسانی کی مجھ بے زبان میں کم از کم اتنی تو لیاقت پیدا کردے کہ میں اُس جرنلسٹ اور پریس رپورٹر کے پنجے سے نکل جاؤں جو میری اسپیچ اور تقریر کے لکھنے اور اصلاح کرنیکا معاوضہ- وقت آنے سے پہلے مجھے یاد دلانے اور رٹوانیکا مطالبہ- میری استطاعت سے بھی زیادہ مانگتا ہے!!

"اے مذہبی فرقوں، سوشل گروہوں، اور پولیٹیکل جماعتوں پر حکمرانی کرنے والے خدائے خاص! اپنے زرنگار چکا چوند پیدا کرنے والے جڑاؤ عرش کے صدقے میں، میرے دل و دماغ کو بذریعہ اسپرچوئل ٹیلیگرافی یا روحانی تار برقی عام واقفیت سے صرف اسقدر بھر دے کہ میں وقتاً فوقتاً اپنے حلقہ رائے دہندگان کے روبرو پیش آنے والے معاملہ میں دخل در معقولات کرسکوں اور اُن بیوقوفوں کو۔ جو گورنمنٹ کی اطاعت کے محض ایسے ہی عادی ہیں جیسے ہولی کے موقعہ پر برانڈی یا رم کے۔ ہر مسئلہ پر اپنی جھوٹی سچی ٹانگ اڑا کے اپنا گرویدہ بنالوں! مجھے معلومات باطل اور حقوق فرضی کی ایسی عمیق تعلیم دے کہ میں اسکی بدولت اپنے گرد و پیش رہنے والے ناتراشیدہ دہقانیوں کو اپنی وسیع معلومات اور عصمت کا یقین دلاسکوں؛ اور مجھے تلقین کر کہ میں اُنکی سادہ لوحی کو اپنی 'گندم نما جو فروشی' کی اعانت میں اپنے آرام کے لیے خاطر خواہ کام میں لاسکوں!!

"اے جاہل ہندوستان کے سوشیل مرتبہ کے خدا، ہر دلعزیز اور بامروت خدا! مجھے ایسے مزدوری اور موزوں معلوم ہونیوالے غرور تکبر سے ملتبس کردے کہ میرا گستاخی آمیز پرغرور برتاؤ، اہل قلم و اہل دماغ کے ساتھ ناقابل برداشت ہونے کی حد تک پوہنچ جائے؛ مگر ساتھ ہی مجھ میں وہ چکیلا، اطاعت سے بھرا ہوا، اخلاق بھی قایم رکھ جسکی بدولت میں حکام بالادست کی نگاہ میں چاپلوسی کرنے والے چپراسی اور خوشامدی ٹٹو سے زیادہ نہ جچوں! اور قسم ہے مجھ کو اپنے مہذب اور خاموش پالیسی کی۔ موجودہ دور کی ڈپلومیسی کی مجھے ایسی قابلیت عنایت کر کہ میں التفات آمیز سرپرستی اور ہمدردی بھری ہوئی امداد کے رنگ میں اپنے رائے دہندگان کے سر پر شفقت اور مہربانی کا

ہاتھ پیر آ مار رہا ہوں!!

اے جاہلوں کے مربی؛ چھوٹی سی شان والے نکتہ نواز! اپنی شانِ رحیمی کے طفیل میں ایسے روز بد سے۔ ایسی منحوس گھڑی سے۔ بچا، جبکہ دو چار دشمنوں مجھے کونسل کے سامنے بولنے کی ضرورت پڑے! اے، سب کچھ جاننے والے تو جانتا ہے کہ میں کوئی لکچرار یا اسپیکر نہیں ہوں۔ اور بفرض محال اگر ہوتا، تو بھی۔ میرے ناکارہ دماغ میں کوئی ایسا قابل غور خیال نہیں جس کے لیے مجھے صرف ایک واہیات سے واہیات فقرہ بھی بولنا پڑے!! اے دوربین کی امداد سے اصلیت کی تہ تک کو دیکھ لینے والے، داناو بینا! تو دیکھتا ہے کہ تمام سوشیل فائدوں کے لحاظ سے، تمام قومی حقوق کے، خیال سے، میری ذاتی رائے اگر ہے تو یہی۔ اور صرف یہ ہی۔ کہ مرد دوزخ میں جائے یا بہشت میں، مجھے اپنے نام کے ساتھ۔ ایم۔ سی لکھنے کا حق ہمیشہ ہمیشہ تک حاصل رہے!

"اے پارلیمنٹ اور کونسل کا حساب جانچنے والے، اور ایک ایک رائے کو شمار کرنے والے، احکم الحاکمین! تو ضرور جانتا ہوگا کہ میں نے تیرے بہترین بندہ نے محض۔ ایم۔ سی لکھنے کا حق حاصل کرنے میں مبلغ دو ہزار روپے سکۂ رائج الوقت، مناسب اوقات پر خرچ کیے ہیں؛ یعنی ان دو حروف تہجی کو۔ ایم اور سی۔ کو بشرح ایک ہزار روپیہ فی حرف مول لیا ہے: اور اب میں اُن کو محض انکو۔ تمام سوسائٹی، تمام قوم، اور تمام ملک، سے زیادہ عزیز۔ بلکہ اپنی جان سے زیادہ عزیز۔ رکھتا ہوں!! اسے مبلغ علیہ السلام کو ستار عیوب کا سچا مرتبہ عطا فرمانے والے کروڑپتی خدا! ان دو حروف کو اس قدر گراں مول لینے کے بعد اگر میں یہ التجا کروں کہ مجھے

کبھی کسی ضروری سے ضروری معاملہ میں بھی کیسی ایسے معاملہ میں بھی جس سے میری قوم کا فائدہ ہی وابستہ کیوں نہ ہو مجھے ایک لفظ بولنے کی بھی ضرورت نہ پڑے، ہونٹ ہلانے تک کی حاجت نہ ہو، تو کیا بیجا ہوگی؟ نہیں نہیں تو ضرور میری التجا پر غور کرے گا۔ غور کرے گا اور منظور فرمائے گا!

اے کونسل کے معاملات پر قدرت رکھنے والے۔ چھوٹے سے، پاشتی قادر مطلق! تجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ میں اس کمبخت جرنلسٹ اور پریس پوٹر کو اپنی تحریر و تقریر کی اصلاح وغیرہ کے معاوضہ میں بہت کچھ دیتا ہوں اور ساتھ ہی اُس کی علمی قابلیت اور وسیع معلومات پر مجھے پورا بھروسہ بھی ہے، لیکن میں پھر بھی اُس کی رٹوائی ہوئی اسپیچ پڑھنے سے ڈرتا ہوں ڈرتا ہوں اور محض اس خیال سے ڈرتا ہوں کہ کہیں وہسکی سوڈا کی معمول سے زیادہ مقدار چڑھا جانے سے وہ کچھ کا کچھ نہ لکھ گیا ہو! کیونکہ اُس کے الفاظ کچھ ایسے مشکل، اور اُس کی عبارت کچھ ایسی پیچیدہ ہوتی ہے کہ مطلب سمجھنا تو درکنار میں اُس کو بغیر پوری محنت کے صحیح فصیح طوطے کی طرح۔ دوہرا بھی نہیں سکتا! اے حرف حرف پر پکڑنے اور نکتہ نکتہ پر چھوڑ دینے والے، ذی اختیار نکتہ نواز! کیا اچھا ہو کہ میں تیرے سایہ عاطفت میں رہکر اس خوفناک شخص سے چھوٹ جاؤں اور کم از کم مجھ میں اسیقدر دماغ اور جرأت پیدا ہو جائے کہ میں مرحوم لایق، سربرآوردہ حضرات کی یاد سے اُتر جانے والی تقریروں اور تحریروں کے وہ حصے جو میرے لیے مناسب اور موزوں ہوں رٹ لیا کروں اور بغیر جھجکے وقت ضرورت سنادیا کروں! اس میں سب سے زیادہ اطمینان بخش یہ بات ہے، کہ مُردہ حضرات اس خیانت کا۔ اِس پوچ اور کمینہ پن کی چوری کا

دعویٰ کرنے کے لیے قبر سے اُٹھ کر نہیں آسکتے؛ اور تو جانتا ہے کہ آج کل
ایسی چوری تحریر و تقریر کی چوری۔ شاعر، ناول نگار، لکچرار، تعلقدار، غرض
سب کے سب نہایت اطمینان کے ساتھ کر رہے ہیں! بس تو؛ قسم ہے
تجھ کو اپنی پولیٹکل مرتبہ اور اپنی ڈپلومیسی آمیز شان کی مجھے بھی اس قابل
کر دے کہ میں اپنی ضروریات کے موافق اکثر حصے گمنامی میں پڑی ہوئی
تصنیفات سے چھانٹ سکوں اور بغیر حوالہ دیے۔ بغیر یہ ظاہر کیے کہ وہ
کسی اور دماغ کا نتیجہ ہیں۔ نہایت دیدہ دلیری کے ساتھ کونسل کے روبرو
پڑھ سکوں! یہ تو میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ کونسل زیادہ تر مجھ جیسے ہی
ٹھوٹ اور ہیچمدان حضرات سے بھری ہوئی ہے، وہ خود ایسے ہی خاموش
بیٹھے رہتے ہیں جیسے کہ میں، اور اگر شاذ و نادر کوئی ایک سمجھنے اور بولنے
والا بھی جاتا ہے تو ہم احمقوں کی تعداد کی زیادتی اُس کی کچھ پیش نہیں
چلنے دیتی، اور وہ اپنی تمام علمی لیاقت اور دماغی جدت کے ساتھ بھی
ہمارے گروہ حماقت و بے تمیزی کے مقابلہ میں کچھ ہستی نہیں رکھتا! اب
رہے میرے رائے دہندہ، تو اُن کی طرف سے مجھے یقین ہے کہ
وہ مویشی چرانے والے، کھیت کاٹنے والے گنوار، کسطرح میرا ذریعہ
الہام۔ چالاکی سے بھرا ہوا اُٹھائی گیرا پن۔ خود معلوم نہیں کر سکتے اور ساتھ
ہی لوکل اخبار کا اڈیٹر بھی ڈگری یافتہ نہیں جو میری اس چوری کو سمجھ سکے
اور پبلک کو سمجھا سکے! اس لیے سب سے زیادہ آسان، سب سے زیادہ اطمینان
بخش، سب سے زیادہ سستا کم خرچ و بالانشین۔ یہ ہی طریقہ ہے کہ میں تحریر و
تقریر کی چوری پر دماغی قابلیت کے اُچکے پن پر کمر باندھوں، بشرطیکہ
تو بھی مجھے اپنی مہربانی اور امداد سے۔ ابلہ پروری کی ہوئی امداد سے

سرفراز فرماتا رہے!!

اے تمام دنیاوی اعزاز و مرتبہ عطا فرمانے والے قاضی الحاجات بہ مجھے ایسی بلند اور اونچی شان۔ فریب، جھوٹ اور غرور سے بھری ہوئی شان عطا کر جس کے بدولت میں سے سر پانوں تک غیر معمولی قابلیت اور واجب التعلیم لیاقت کا پتلا نظر آنے لگوں، اور سوسائٹی کی ظاہر بیں آنکھ میں، اپنے آپ کو وہ ثابت کر سکوں جو در اصل میں نہیں ہوں! اے ملک کی قسمت پر قدرت رکھنے والے فرشتوں کی کمیٹی کے صدر نشین! اپنی تمام انتظامی فراست کے صدقہ میں میری رائے دہندگان کو میری اصل حقیقت کے دریافت کرنے کے معاملہ میں، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اندھا، بہرا، اور گونگا کر دے؛ کیونکہ انکو میری بیچدانی اور جہالت کی ذرہ برابر بھی خبر ہوئی۔خبر ہوئی اور یقین آگیا۔ تو میں آیندہ الکشن میں ضرور اپنی عزت کھو بیٹھونگا اور پھر اپنے آپ کو۔ایم۔سی۔کبھی نہیں لکھہ سکونگا جسکو میں اپنے نام کے ساتھہ اسیطرح نتھی رکھنے کا دلدادہ ہوں جس طرح ایک پولیس کا تھانیدار اپنی وردی پر تھانیداری کے چمکتے ہوئے مارک کا!!

اور تو اور، میری بیوی تعلیم یافتہ، ترقی بیوی۔جس کا خوش رکھنا میری ہستی کا سب سے بڑا مقصد اور میری زندگی کا اکیلا فرض ہے، اس ناقابل برداشت صدمہ کی وجہ سے غصہ کے مارے بے آپے ہو جائے گی! اور تو جانتا ہے کہ اُس کا غصہ تقسیم بنگالہ سے زیادہ مستحکم اور دیرپا غصہ۔ ایسی چیز ہے جو نہ خوشامد سے دبے اور نہ بند ر بھبکیوں سے کم ہو۔ کیونکہ زمانہ کی ہوا نے اُسے آزاد حاکم اور مجھے عاجز محکوم بنا دیا ہے؛ اس لیے اسے حقوق نسواں اور آزادی نسواں کے ناپیدا کنار سمندر کے! اختیار نیجون[1] ! مجھے اُس

---

[1] یونانی مذہب کی رو سے خدائے بحر کا نام ہو دجو

منحوس گھڑی سے بچا جب کہ میں۔ ایم۔ سی۔ لکھنے کا حق کھو بیٹھنے کی وجہ سے اپنی سرو قد بیوی کے کبھی نہ فرو ہونے والے غصہ اور نفرت کا شکار بنجاؤں!

اس سب کے علاوہ، تو یہ بھی جانتا ہے۔ اور خوب جانتا ہے۔ کہ میں ، تیرا تابع فرمان بندہ، کبھی کسی معاملہ میں اپنے ملک کی، اپنی قوم کی، اپنے مذہب کی بہتری کا طالب نہیں ہوں! ان تمام باتوں کی مجھے اتنی ہی پروا نہیں جتنی اُڑد پر سفیدی۔ اور اسی وجہ سے ترک و اٹلی کے جھگڑے میں یا روس و ایران کے معاملہ میں کسی قسم کی ہمدردی کا اظہار میں ایک فعل عبث سمجھتا ہوں : ما را چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت! میری طرف سے تمام دنیا جنت میں جائے یا جہنم میں مجھے اپنی چمکیلی شان و شوکت سے، اپنی سرو قد حکمراں بیوی کی خوشنودی سے، اور اپنے نام کے ساتھ ایم۔ سی۔ لکھ۔ لینے سے، کام ہے اور بس! اے لکشمی جی کے تیر نظر کے گھائل، اے مبلغ علیہ السلام کی جھنکار پر جان دینے والے کفایت شعار مدبر ناق! ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مجھے کونسل کا ممبر رہنے کا فخر عنایت کر اور ابد الآباد تک مجھے اپنی شان ابلہ نوازی کا مرجع قرار دے

آمین!! ثم آمین!!!

سلطان حیدر ۔ جوش (علیگ)

مسٹر جیسٹی ملکہ میری کی تصویر جو زیب ورق اول ہے امید ہے کہ دلچسپی سے دیکھی جائیگی۔ افسوس ہے کہ ہم اس تصویر کو مدیا ہے کے موقعہ پر علیحدہ شائع نہ کر سکے۔ ہ

نالۂ جگرسوز

ہلالِ احمر کے شفاخانہ سے یہ نالۂ جگرسوز بلند ہوکر جب سے میرے کان تک پہونچا ہے تب سے میرے دل کی حالت تو ناگفتہ بہ ہے لیکن نہیں معلوم کہ اس کے سننے سے مسلمانانِ ہند کے قلب کی کیا کیفیت ہوگی جس مظلومہ کے حال نے مجھے اس نظم کے لکھنے پر مجبور کیا اسکی نہایت ہی مختصر سی روئداد "اک دردناک نظارہ" کے عنوان سے روزانہ "زمیندار" مورخہ ۵ مارچ ۱۹۱۲ء میں بسند اخبار المؤید ۱۸ فروری چھپ چکی ہے۔ میں اپنی اس ستم رسیدہ بہن کیطرف سے جملہ اہلِ اسلام کی خدمت میں متذکرہ بالا نظم کو پیش کرتے ہوئے استدعا کرتا ہوں کہ وہ اس غریب کے لیے جو ہلال احمر کے شفاخانہ میں زیرِ علاج تھی اور نیز طرابلس کے دیگر زخمی بھائی بہنوں کی امداد کے لیے جس قدر چندہ ممکن ہوسکے فراہم کرکے مقررہ انجمنوں کے ذریعہ جلد بھیجنے کی کوشش فرمادیں اور اس موقعہ پر اپنی اسلامی ہمدردی کا فراخدلی کے ساتھ پورا ثبوت دیں۔

آرشل

(بند اول)

کہوں کیا ایک شب جو اضطرابِ دل کا ساماں تھا ‏ ‏ بصد نشتر پر از زخمِ جگر دست و گریباں تھا
ہجومِ حسرت و غم اکطرف میں اک طرف تنہا ‏ ‏ پریشانی پہ اپنی صورتِ آئینہ حیراں تھا
شریکِ رنج تھا کوئی نہ کوئی ہمنشیں میرا ‏ ‏ انیسِ کنج تنہائی جنونِ خانہ ویراں تھا
عجب حسرت برستی تھی مرے کاشانۂ دل میں ‏ ‏ بیاباں تھا وہ گھر جو ایکدن رشکِ گلستاں تھا

ے اشک آنکھوں سے ٹپکتا تھا لہو ہر دم — سحاب خس سے ہر ہر گوشۂ دامن میں پنہاں تھا
اغ آسماں گل ہو چکا تھا نصف شب لیکن — دل افسردہ سوز غم سے شمع بزم حرماں تھا
وت خاموشی کا اس گھڑی اک طرفہ عالم تھا — زمانہ پیکر تصویر کی مانند بے جاں تھا
ایک کان میں پہونچی کسی مظلوم کی زاری — جو ہر دم دردناک آواز سے اس طرح نالاں تھا

"فغاں میں آہ میں فریاد میں شیون میں نالہ میں"
"سناؤں درد دل طاقت اگر ہو سننے والے میں"

(بند دوم)

لمانو! تمھیں کچھ پاس بھی ہے دین و ملت کا — "خیال آتا بھی ہے تمکو کبھی اپنی حمیت کا"
ہے آج کل کیوں ترک آئین وفاداری — "سبق دیتا نہیں اسلام کیا تمکو اخوت کا"
انہ جاگتا ہے اور تم ہو خواب غفلت میں — "نہیں ہے کچھ تمہیں احساس اپنی مصیبت کا"
لے جاتے ہو آخر کس لئے یوں الٹی رستی پر — "پتہ ملتا نہیں کیا تمکو شاہ راہ شریعت کا"
لے نام اتنا ہے زمانے میں مسلمانی — "نہ تھا یہ حال پہلے احمد مرسل کی امت کا"
انہ پھر گیا آنکھیں پھرائیں ہم سے تمنی بھی — "بھلانا دل سے اپنوں کو نہیں شیوہ مروت کا"
ہیں سنتا کوئی فریاد مظلوموں کی دنیا میں — "ابھی کوئی بھی واقف نہیں میری مصیبت کا"

"نہیں بنتا ہے کوئی آشنا حسرت کے ماروں کا
کوئی کیا جانتا ہے درد ہم سے دلفگاروں کا

(بند سوم)

شی کیا خاک ہوگی دل کو فصل گل کے آنے سے — "جدا ہے خانماں برباد بلبل آشیانے سے"
شاں ہو گیا دم بھر میں گلدستہ جمعیت کا — "چھڑایا مجھکو صیاد ستمگر نے گھرانے سے"
ے بھائی بہن سب زیر خنجر خون میں تڑپے — "نہ کیوں تازہ لہو کی آئے بو میرے فسانے سے"
ٹوٹے ہوئے بازو کو زخمی کر گیا ظالم — "ابھی تک خون کا فوارہ ہے جاری میرے شانے سے"

"کیا اٹالوی جلّاد نے مجھ پر ستم ایسا — کہ جس کی یاد سے اب تک نہیں ہے دل ٹھکانے سے"
"نہ کچھ تقصیر تھی میری - نہ کچھ میں نے خطا کی تھی — شہادت بیگناہی کی طلب کر لو زمانے سے"
"ہوئی جاتی ہے اب تو دن بدن حالت زبوں میری — طبیعت کو ہوئی ہے بسکہ نفرت آب و دانے سے"
"ہمیں کیا حق نہیں حاصل ہے مسلم کی کمائی میں — دو آگے ہی لئے کچھ بھیج دو اپنے خزانے سے"
"نہ کی جب وقت پر امداد پھر کس کام آؤ گے — کفن بنواؤ گے جب ہم گذر جائیں زمانے سے"

"تمھارے دل میں گر اسلام کی کچھ بھی محبت ہو"
"مسلماں ہو اسلام تو اثر کچھ نہ وحشت ہو"

(بند چہارم)

"یونہیں دنیا میں کب تک تم رہو گے بیخبر - آخر — کبھی تو ہوگا مظلوموں کی آہوں کا اثر آخر"
"نہیں کچھ سود اس سے جب رہِ حق میں نہ کام آیا — تو پھر کس کام آئیگا تمہارا مال و زر - آخر"
"جہاں تک ہوسکے ہمدردی ہمجنس لازم ہے — بشر ہوں اور پیرو ہوں امتِ خیر البشر - آخر"
"حسینؑ تشنہ لب نے کربلا میں تین فاقوں سے — بچا لی آبروئے دینِ احمدؐ دیکے سر - آخر"
"میں وہ بھی صاحبِ عصمت کہ دیکھی بھی نہ آئی تھی — مگر دنیا کی گردش نے پھرایا دربدر - آخر"
"نہ تھا باقی جو یارائے شنید اس قصۂ غم کا — کہوں کیا لوٹ کر ہی رہ گئیں خاک پر - آخر"
"کسی مردے کی صورت میں پڑا تھا خاک پر ارشد — نسیم روح پرور لائی پیغام سحر - آخر"

نوائے شیونِ مرغ سحر سے شورِ محشر تھا
موذن کی زباں پر نعرۂ اللہ اکبر تھا

—— آغا غلام حسین - ارشد

دولت

دولت موضوع ہے علم اقتصاد کا۔ علم اقتصاد علم ہے اُن قوانین کا جو اُن چیزوں کی تحصیل اور تقسیم اور استعمال کو منضبط کرے جو قیمت رکھتے ہیں اور ضروری یا مرغوب ہوتے ہیں۔ دولت کی تعریف میں اگر قیمت کی قید نہ لگائی جائے فقط یہ کہا جائے کہ دولت وہ اشیا ہیں جو ضروری یا مرغوب ہیں تو غلطی ہوگی اسی سبب سے کہ ہوا اور آفتاب کی گرمی میں سب صفتیں موجود ہیں۔ ان چیزوں کا فیض عام ہونا اور کسی کے اقتدار میں نہ آنا ان کو قیمت سے بری کرتا ہے۔ لہذا وہ اس علم کے بحث نہیں ہو سکتے۔

علم اقتصاد کی غرض یہ ہے کہ آدمی کی محنت سے ضروریات اور آرام کے اشیا زیادہ پیدا ہوں اور وہ ان مناسبتوں کا اندازہ کرے جس سے یہ دولت مختلف درجے کے لوگوں میں منقسم ہے اور ان طرائق کو معلوم کرے جس سے اشیا زیادہ تر منفعت سے خرچ کیے جاویں۔ دولت اسقدر ضروری چیز ہے اور اس کی خواہش ہم کو ایسی بڑی سی بڑی محنت اور مشقت پر آمادہ کرتی ہے کہ اس کا علم سیکھنا ایک لازمی امر ہو گیا ہے اور اس پر غور و فکر کرنا واجب ہے۔ کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جس کے لیے یہ کہا جاسکتا ہو کہ یہ علم لاحاصل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ بعض کے لیے وہ زیادہ سود مند ہے اور بعض کے لیے کم مگر سب کو اس سے تعلق ہے۔ ہر قسم و ہر صنف کے اشیا کی قیمت۔ کاریگر اور تاجر کے منافع زمیندار کا حاصل۔ مزدور کی اجرت۔ محصول کی آمدنی اور انکی اثر

یہ سب باتیں ایسی ہیں کہ فقط علم اقتصاد ہی اسکو معلوم اور حل کرسکتا ہے۔
دولت کا حاصل کرنا فقط اس غرض سے نہیں ہے کہ قوت کی تدبیریں معاون ہو بلکہ بغیر اس کے ہم اپنے روحانی و قوت و شعور کو نہ تربیت دے سکتے ہیں نہ ترقی جہاں دولت جمع نہیں ہوئی ہے یا ان لوگوں کے دل و دماغ فقط جسمانی ضروریات کے پورا کرنے میں سے لگے رہتے ہیں ان کی تربیت کا وقت نہیں ملتا۔ ان کے خیالات اور احساسات اور سمجھ کوتاہ خود غرض ہوجاتے ہیں اور خود پست ہمت۔
دولت آدمی کو اپنی عقل اور سمجھ کے ترقی دینے میں مدد دیتی ہے اور ایک بہت ہی اہم چیز قوم کی تہذیب اور آراستگی کے بڑھانے کی ہے۔ جب تک انسان کو پیٹ کے دھندے سے فرصت نہو وہ ان مشاغل ترقی میں مصروف ہو ہی نہیں سکتا مگر تاہم اس علم کی طرف قدیم زمانہ میں بے پروائی رہی۔
ہر شخص کو اس کا اندازہ ضرور ہے کہ دولت کیا چیز ہے۔ مگر اس لفظ نے قدیم زمانہ میں مختلف معنی پیدا کئے بہت سے اصول پیش کئے گئے اور ان کے مدعی بہت سے لوگ اوٹھ کھڑے ہوئے۔ ایک خیال اوسی زمانہ میں رائج تھا اور بہت دنوں تک ممالک کی تجارت پر اس کا اثر رہا۔ اسکو "مرکنٹائل تھیوری" کہتے ہیں۔ یہ خیال لوگوں کے دماغ میں بس گیا تھا کہ دولت فقط زر نقد ہے۔ سونا یا چاندی جو سکہ کی حالت میں نہوں تو سکہ کے واسطے ڈھالے جاسکتے ہیں اس اصول کے موافق جو چیز کہ ایک ملک میں روپیہ جمع کرنے میں بکار آمد ہو وہ ملک کو دولت مند کرتی ہے اور جو سونے چاندی کو ملک کے باہر کرے وہ غریب کرتی ہے۔ ان اصول پر مال کا باہر بھجوانا اور قیمت کا ملک میں آنا بہت ہی اچھا سمجھا گیا اور اسکی ترقی کی کوشش کی گئی۔ اور کسی چیز کا ملک میں داخل ہونا سوائے نقد کے نقصان سمجھا جاتا تھا۔ دنیا کی تجارت اس زمانہ میں

دوستانہ تجارت نہ تھی بلکہ حریفانہ تھی کہ دیکھیں کون سونا چاندی زیادہ گھسیٹتا ہے۔

عام محاورہ میں دولت زر نقد کو کہتے ہیں۔ ہر شخص کے مال و دولت کا اندازہ نقد ہی میں ہوتا ہے۔ اور زر نقد کو دولت کہنا سچ بھی ہے۔ ایک آدمی کے پاس ایک معتدبہ رقم جمع ہو جائے تو بے شک وہ مالدار ہے اور اپنی ضروریات کو بہت آسانی سے پورا کر سکتا ہے لیکن اگر سارا ملک یہ خیال کرے تو فقط روپیہ ہی روپیہ نظر آئے۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی چیز نہیں ملے گی۔ آخرش یہی ہوگا کہ وہ رقم کیسہ سے باہر ہو اور سامان ضروری منگوایا جائے۔ ان وجوہ سے یہ ظاہر ہوا کہ نقد ہی فقط دولت نہیں۔ بلکہ وہ اشیا بھی دولت ہیں جو بنی نوع انسان کے کام آ سکتے ہیں۔ اور جو قدرت نے بے انتہا مہیا نہیں کیے ہیں۔ جیسا کہ آگے مذکور ہوا کہ ہوا اور آفتاب کی گرمی دولت میں نہیں گنی جا سکتی۔ پانی کو بھی قدرتی دولت کہنا چاہیے۔ اگرچہ شہروں میں یہ قیمتی ہو جاتا ہے مگر اس قدر وافر ہے کہ دولت کے مفہوم میں نہیں آ سکتا۔ ہاں بعض حالتیں ہیں کہ جس میں اسکی قیمت ہو جاتی ہے۔ مثلاً لوگوں کا آب و ہوا بدلنے کی غرض سے ملکوں کو جانا۔ اس سفر کے اخراجات کو آب و ہوا کی قیمت کہا جا سکتا ہے۔

پھر ایک شخص کی دولت میں اور ایک ملک کی دولت میں بھی فرق ہے ایک شخص کے لیے وہ سب اشیاء دولت ہیں جو ذاتی قیمت نہ رکھتی ہوں" مگر دوسروں سے وصول کی قدرت رکھتے ہوں مگر ایک ملک کے لیے وہ چیز دولت نہیں جس میں بذات خود کوئی قیمت نہو۔ فرض کرو کہ ایک کاغذ ہے کہ وہ اس شخص کے لیے ایک ذریعہ آمدنی ہے مگر ملک کے لیے وہ دولت نہیں غرض اسی طرح کے اور عہد نامہ اقرار کے لیے دولت ہیں مگر ملک کے لیے نہیں۔

ایک یہ سوال ہے کہ کیا آدمی کے ہنر کو بھی دولت کہہ سکتے ہیں۔ تجارتی

معلومات اور ہنر دوست کاری کو ہمیشہ مادّی اشیا کی پیدائش سے تعلق رہا ہے۔ ایک کاریگر کا ہنر فقط اسیوقت دولت کہا جاسکتا ہے جب وہ دوسری مادّی دولت پیدا کرنے میں معین ہوتا ہے۔ اور کوئی اور صفات جو اس بات میں ظاہرا سودمند نہ ہوں وہ کبھی اس طرح موسوم نہیں کیئے جاتے۔ غرض کہ یہ امر مسلم ہوچکا ہے کہ اس علم میں دولت سے مراد فقط وہی ہے جو مادّی ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ ایک روٹی دولت ہے تو علمی لحاظ سے وہ بالکل صحیح اور جائز ہے گو محاورہ میں تمسخر معلوم ہو۔ ایسا ہی ہوتا ہے کہ ایک شے ان صفات سے متصف ہو جو انسانی ضروریات کو پورا کرتی ہیں مگر انسان ان سے ناواقف ہے یا ناقابل ہونے کی وجہ سے غور نہیں کرسکتا۔ مثلاً آلو کو مدتوں بیکار سمجھا گیئے۔ آبشار کی قوت کا پتہ نہ لگا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ دنیا میں ہر چیز شاید کارآمد ہو اور دولت کے بڑھانے کے قابل ہو۔ مگر ہم اوس سے ناواقف ہوں۔ برعکس اس کے بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو درصل ہماری ضروریات کو پورا نہیں کرسکتیں۔ مگر ہماری سمجھ میں یہ بات آگئی ہے کہ وہ کام کی ہیں۔ سیکڑوں برس تک لوگ جھوٹے تبرکات کو مفید اور بیش بہا سمجھا کیئے کتنی ہی معدنی اور اشتہاری دوئیں ایسی ہیں جن کی قیمتیں بہت گراں ہیں مگر اثر مشکوک۔ اسی طرح کہنہ کپڑے اور تصاویر اور پرانے سکے ہیں کہ اب ہی کسیکا میلان ان کے جمع کرنے کی طرف ہوجائے تو وہ قیمتی ہوجائیں۔ شراب کو دنیا بُرا کہتی ہے اور حکیم و طبیب تو بے حد مگر لوگ اسمیں کوئی نہ کوئی فائدہ دیکھتے ہیں اور دولت سمجھتے ہیں۔

میر عالم علی سینیر بی۔ اے کلاس۔

غزل

حفاظت زخمِ دل کی یوں ترے ناشاد کرتے ہیں
جگر پر ہاتھ رکھ لیتے ہیں جب فریاد کرتے ہیں

ادا رسمِ عزائے کشتۂ بیداد کرتے ہیں
لہو روتے ہیں یوں ماتم مرا جلاد کرتے ہیں

ہجومِ غم سے خالی ہم دلِ ناشاد کرتے ہیں
ذرا تسکین ہو جاتی ہے جب فریاد کرتے ہیں

امیدوں کو ملایا خاک میں یوں نا امیدی نے
کہ اک گورِ غریباں دل میں ہم آباد کرتے ہیں

بیانِ گرمیِ ہنگامۂ بیداد مشکل ہے
کہ ہر تارِ نفس جلتا ہے جب فریاد کرتے ہیں

شہادت پر نہ پوچھو تم سبب زخموں کے ہنسنے کا
یہ آپس میں ادا رسمِ مبارکباد کرتے ہیں

پرِ پرواز ملتے ہیں ہماری خاک کو گویا
خدا رکھے سلامت اُن کو جو برباد کرتے ہیں

ہجومِ یاس سے گھبرا کے لب پر جان آئی ہے
نکل جائے کہ ٹھہرے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

حسینوں سے نوازش ہائے الفت کی توقع کیا
کرم کرتے ہیں ظالم اگر بیداد کرتے ہیں

نفس کی آمد و شد سے یہ مطلب ہے کہ حسرت کو
کبھی ہم قید کرتے ہیں کبھی آزاد کرتے ہیں

تمدن قابلِ اصلاح ہے دنیائے الفت کا
وفاؤں کے طریقے و رسم ایجاد کرتے ہیں

لگا رہتا ہے کھٹکا ظلمِ تازہ کا اسیروں کو
قفس سے دیکھتے رہتے ہیں کیا صیاد کرتے ہیں

نظر آتی ہیں اب تک بیستوں پر خون کی چھینٹیں
یہ جوہر ہیں جو ذکرِ تیشۂ فرہاد کرتے ہیں

ہزاروں رنگ سے کھینچیں دلِ زخمی کی تصویریں
سرشکِ خوں بھی کارِ مانی و بہزاد کرتے ہیں

خدا جانے نتیجہ کیا ہو اس طومارِ حسرت کا
وہ خط لکھا ہے جس کے حرف تک فریاد کرتے ہیں

عجب اعجاز رکھتی ہے یہ دنیائے تصور بھی
وہ لوگ آنکھوں میں پھر جاتے ہیں جن کو یاد کرتے ہیں

دلِ پُر آرزو کو تم کرو ویراں تو تم جانو
ہمارا کام ہے اتنا کہ ہم آباد کرتے ہیں

نظرؔ مدت سے سودا ہے اذیت قیدِ ہستی کی
کہ اُٹھتے بیٹھتے اعضائے تن فریاد کرتے ہیں

[illegible]

دو آسمانی مسافر

۵ ؍ دسمبر ۱۹۱۱ء کا چندر گرہن جس نے تمام یورپ میں صبح صادق کے وقت
ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا اپنی نوعیت کے اعتبار سے یقیناً بے مثل تھا جو بندۂ دنیا
پر ایک بلائے ناگہانی کی صورت میں ظاہر ہوا قریب آگیا تھا وہ وقت
کہ شجاع مشرق اپنے نازک خنجر سے دامان شب آناً فاناً چاک کردے نسیم
اٹھلا اٹھلا کر مژدۂ صبح لا رہی تھی شمع کافوری جھلملا جھلملا کر صحبت شب کو الوداع
کر چکی تھی اور وہ گل نوشگفتہ جورات کے ابتدائی حصہ میں حسن عروس کی
زیب و زینت کو دوبالا کر رہے تھے شب وصل کے فراق کا پیغام
پہونچا چکے تھے کہ پورنماشی کا چاند گہنا نا شروع ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے زمین و
آسمان تیرہ و تار ہوگئے نہ معلوم برج عقرب کب کا منہ کھولے بیٹھا تھا کہ لپکتے
ہی شربت کے گھونٹ کی طرح نگل گیا اور کرۂ ایشیا کے دامن میں جس پر
چادر مہتاب آب و تاب سے پھیلی ہوئی تھی اندھیر چھا گیا کچھ ایسا سناٹا
ہوا کہ بلبل بیمار جو لہک لہک کر صبح کا استقبال کر رہی تھی آشیانہ میں جا دبکی
زمین وجہ گرہن ضرور تھی مگر چاند کی بے بسی پر آٹھ آٹھ آنسو رو رہی تھی آسمان
بیگناہ تھا یا نہ تھا مگر عقرب کے مظالم کی تاب نہ لا سکا۔

تارے ٹھنڈے سانس بھرتے ہوئے بساط فلک پر تڑپ تڑپ کر دم
توڑ رہے تھے کہ قمر مظلوم نے پلٹا کھایا عقرب کے اس سینہ کو جو فولاد سے
زیادہ سخت تھا ہلالی ناخونوں سے چیرتا ہوا باہر نکلا قریب تھا کہ نظام عالم فتح
و نصرت کا سہرا قمر چہاردہم کے سر باندھ دے کہ آفتاب سینہ برج عقرب

کی حمایت میں فضائے مشرق کے ہوائی جہاز میں بیٹھکر بلند ہوا۔ اور ان کا پردہ ڈال کروڑوں دل شپر مردہ کردیے۔

آفتاب و رفقائے آفتاب کے علاوہ جن کے جاہ و جلال کا سکہ ہر چہار طرف بیٹھا تھا۔ چھوٹے چھوٹے بے شمار ستارے چاند کے ساتھ جانیں لڑائے ہوئے تھے اور منتظر تھے اسوقت کے کہ ماہتاب کو اسی چمک دمک سے اپنے تخت پر جلوہ گر دیکھیں۔

(۲)

دن کے دو بجے ہوں گے کہ وائرلیس ٹیلیگرافی کے انچارج سپرنٹنڈنٹ نے صیغۂ خارجیہ کے وزیر کا یہ اعلان مشتہر کیا۔ حدود قمری پر برج عقرب کا حملہ گو تعجب انگیز و مضحکہ خیز سب کچھ تہا لیکن امن و انصاف کے مدعی آفتاب نے جس ہٹ دھرمی سے دنیا کی آنکھوں میں خاک جھونکی ہے اس نے یقین دلا دیا کہ حرارت آفتاب کے بل پر پہولنے والی تمام طاقتیں متفقہ کوشش کر رہی ہیں کہ قدرت کے انتظام کو پلٹ دیں اور رات کا سایہ عاطفت جو بقائے حیات انسانی کے واسطے لازم ہے صفحہ ہستی سے ناپید کریں وہ فلسفۂ قدرت کے اس مسئلہ سے بالکل بیخبر ہیں کہ جب تک انکا وجود دنیا میں ہے ہمارے شہنشاہ معظم کی آب و تاب دن دونی اور رات چوگنی ترقی کرتی رہے گی ہمیں اسبات کا اعتراف کرنے میں تامل نہیں کہ آفتاب اپنی لگاتار کوششوں تحقیقوں اور تجربوں سے انسانی دنیا کے دل مسخر کرچکا ہے وہ ہر قسم کے آلات حرب سے مسلح ہے دنیا کے بڑے حصہ کی ہمدردی اس کے ساتھ ہے لیکن اس کو یاد رکہنا چاہیئے کہ وہی کھیتیاں جو اس کی تمازت سے پک کر تیار ہوئیں اگر انصاف سے کام لیں گی تو مقابلہ اس کے ان افعال پر لعنت بھیجیں گی۔ گو ہمارے عقائد ہمکو یہ کہنے کی اجازت

نہیں دیتے کہ روز روشن میں ہماری طاقت نہ صرف کمزور بلکہ بالکل صفر ہے لیکن ہم اسباب کے متمنی ضرور ہیں کہ کاش شب ماہ میں ہماری مٹ بھیڑ اقلیم آفتاب کے شہ زور تاجداروں سے ہو جائے۔

چونکہ ہمارے سلطان قمر اول خلد اللہ ملکہ عقرب کے کینہ حملے سے ہر طرح محفوظ رہے اس خوشی میں آج رات کو لائٹ پارک میں ایک جلسہ اس غرض سے منعقد ہوگا کہ تمام خیر خواہان مملکت قمری اس معاملہ پر غور و خوض کریں ممالک آفتابی کے تمام سفرا خصوصیت سے اس جلسہ میں مدعو کیے گئے ہیں۔

(۳)

برج سرطان کو چھوڑ کر جس نے تاج برطانیہ کی طرح کارزار طرابلس میں انصاف کو ہاتھ سے نہ دیا تمام آفتابی طاقتیں یورپ کی طرح عقرب کے ساتھ تھیں انکو یقین تھا کہ عقرب کے صرف حملہ کی دیر ہے ممالک قمری کا یہ حصہ جو سوے مازار توپس کے نام سے مشہور ہے یقیناً شاعی طاقتوں کے زیر نگین ہوگا یہی وجہ تھی کہ گرھن کے وقت جب عقرب نے توپس پر حملہ کیا قمر اول نے ہر چند کوششیں کیں چاروں طرف نگاہ دوڑائی، مگر اعانت تو درکنار کسی نے بات تک نہ پوچھی کینہ دوز عقرب کی ہنکاروں نے توپس کے پہاڑ پرزہ پرزہ کیئے زمین تاخت و تاراج کی مگر آفتاب سیہ کار کے کان پر جوں نہ چلی اس بے ایمانی کا یقینی نتیجہ یہ تھا کہ خود ممالک آفتابی کی رعیت اپنے تاجدار و نپر لعنت برسانے لگی اور واقعات نے بآواز بلند پکار دیا کہ بے ایمانوں کا وجود تحت الثرے ہی میں نہیں بہت جگہ موجود ہے ÷

(۴)

کرائسٹ بلڈنگ جولائٹ پارک کا قابل ناز حصہ تھا نہایت تزک و احتشام سے آراستہ کیا گیا۔ مگر موسم زیادہ گرم ہونے کی وجہہ سے یہ اوپن ایر میٹنگ ایسی جگہ منعقد ہوئی جہاں سے اطراف و جوانب کی بہار اچھی طرح نظر آسکے۔ آفتاب کے غروب ہوتے ہی پلیٹ فارم ستاروں سے بھرا ہوا تھا جو اپنی زرق برق ڈریس میں جگمگا رہے تھے دس بجے کے قریب لارڈ سٹار منسٹر اوف وار کا داخلہ ہوا جسپر قطبی ستاروں کے گارڈ اوف انر نے سلامی دی۔ ٹھیک آدھی رات کے وقت سوتا سنسار جاگتا پروردگار آدھی رات اِدھر اور آدھی رات اُدھر ہز میجسٹی ملکہ مشتری کی تشریف آوری کا غلغلہ بلند ہوا۔

مریخ کی تحریک اور زہرہ کی تائید سے جسمیں تمام اوڈینس کی التجا شامل تھی ہز میجسٹی نے کرسی صدارت کو رونق بخشی اور چاروں طرف سے گوڈ سیو دی کوئن کے نعرے بلند ہوئے۔

لارڈ سٹار کی منسٹیریل سپیچ اور اس کے بعد جو مختلف تقریریں ہوئیں ان کا اعادہ فضول سمجھکر ہم صرف ہز میجسٹی کی سپیچ نقل کرتے ہیں۔

شائننگ سٹارز اینڈ سفیرز:۔

جس محبت و خلوص سے آپ صاحبان نے میرا خیر مقدم کیا میں اسکو دیکھکر بیحد خوش ہوئی میں ضرور آپ کا یہ محبت آمیز پیغام شہنشاہ معظم کی خدمت میں پونہچا دوں گی۔

گرھن پر آپ صاحبان کا اس قدر اضطراب اس خیال سے کہ وہ فاداری کا کافی ثبوت ہے۔ ہمارے دلی شکریہ کا مستحق ہے گر یہ کیفیت جس نے آپ کو اس قدر پریشان کیا محض ایک عکس ہے ان واقعات کا جو آج کل

انسانی دنیا پر گذر رہے ہیں ہم کو اپنے معاملات کا مطلق اندیشہ نہیں۔ نظام عالم ہمارے بقا و قیام کا ذمہ وار ہے۔ بس اگر کوئی گزند پونہچ سکتا ہے تو اسیوقت جب تمام آفتابی سلطنتیں کسی نہ کسی مرض میں گرفتار ہو جائیں۔ لیکن افسوس کے قابل وہ اصلی واقعات ہیں جن کے عکس نے آپکے دل دھلا دیے آپ صاحبان کو اپنے افکار و فرائض سے آشنا وقت بمشکل ملسکتا ہو گا کہ آپ انسانی دنیا کا کبھی مطالعہ کریں یا کسی محدود قطعۂ زمین کی کیفیت ملاحظہ فرمائیں لیکن آدھی رات کے سناٹے میں جب مطمئن دنیا کا بڑا حصہ نرم نرم بستروں پر آرام کرتا ہے میں آج کل ان حالات کو دیکھتی ہوں جس کے خیال سے کلیجہ منہ کو آتا ہے اور مجھے امید ہے کہ آپ لوگ ہی ان جگر خراش واقعات کو سنکر اپنی بپتا بھول جائیں گے۔ سرزمین طرابلس الغرب جو آپ کی آنکھ کے سامنے ہے اسپر نظر ڈالئے اور ان بدنصیب فدائیان وطن کو دیکھئے جو جنگلوں میں پڑے اپنے وطن کی حفاظت کر رہے ہیں نو مہینہ کا عرصہ گذرا کہ بے ایمان اطالیہ نے عیسائی طاقتوں کی متفقہ صلاح و مشورہ سے ان بدنصیبوں پر حملہ کیا اور اپنا رعب بٹھانے کے واسطے سینکڑوں اور ہزاروں مظلوم اور معصوم بچہ اور بوڑھے عورتیں اور مرد تہ تیغ کر دیے۔

سرزمین طرابلس کا ہر ذرہ اور طرابلس پر چھایا ہوا آسمان قیامت تک خون کے آنسو رویگا ان معصومونپر جو اطالیہ کے ظالم ہاتھوں نے ماں کی گود سے جدا کر دیے اور نخلستان میں ان کی لاشیں بے گور و کفن سڑتی رہیں۔

یہ انسان جو تہذیب و تمدن کا مدعی اشرف المخلوقات ہونے کا مستحق ہے اپنے کانوں سے ان بے بسوں اور بے کسوں کی گریہ و زاری سنتا رہا اور اس کا دل نہ پسیجا۔ طاقتور مہذبوں نے بیگناہ کمزوروں کے آہ و نالے سنتے ذبح ہوتے ہوتے دیکھا اور کان پر جوں نہ چلی۔

ایک رات کا ذکر ہے دو بج چکے تھے ابر غلیظ آسمان پر چھایا ہوا تھا۔ سمندر کے اس کنارہ پر جہاں کوسوں انسان کا گذر نہ تھا حسن کی ایک مجسم تصویر جس کے دونوں رخساروں پر شباب کی مسکراہٹ کھیل رہی تھی مجھکو نظر آئی۔ بحر ذخار اس کے سامنے ہوا سمندر کے لہروں سے اٹکھیلیاں کر رہی تھی اور زیتون کے درخت تالیاں بجا بجا کر اسکا خیر مقدم کر رہے تھے۔

رات اندھیری اور ڈراؤنی تھی موسم ٹھنڈا اور قیامت خیز ہوا پانی میں ڈوبی اور خنک مگر یہ ماہ کنعان حیران و پریشان ساکت کھڑی تھی اسکی صورت ظاہری ثبوت تھی اسس فراق ابدی کا جس کے ظالم تیر ناتجربہ کار دل کے پار ہو رہے تھے۔

عشق اس کے سر پر کھیل رہا تھا اور محبت دل مجروح کو قوت متخیلہ پر پرورش کر کر کے مچھلی کی طرح تڑپا رہی تھی بشیر بھیڑیے چاروں طرف دہاڑتے پھرتے تھے اور طرابلس کے مشہور چیتوں کا غول کا غول اس کے پاس سے سائیں سائیں کر کے نکل جاتا تھا۔ خرگوش ادہر اودہر اچھل رہے تھے مگر کوئی چیز سرزمین طرابلس پر ایسی نہ تھی کہ اس کے تخیلات کی رو کو روکدے۔

پچھلا پہر شروع ہو چکا تھا کہ یہ معصوم طرابلس کے دامن کوہ کی طرف چلی سمندر کی لہریں اس کے حسن خداداد پر درود پڑھ رہی تھیں ہوا کے جھونکے جھک جھک کر اس کے پاؤں چوم رہے تھے اور درختوں کے پتے سراسر سراکر اُس کو الوداع کہہ رہے تھے۔

(۵)

شب آخر کے سنسان وقت میں ابر کے غلیظ ٹکڑے جھڑیوں اور لونوں کو سینے سے چمٹائے ادھر ادھر پھر رہے تھے کہ پانی کا ایک چھوٹا سا قطرہ آغوش پدری سے جدا ہو کر زمین کی طرف چلا بادل کے ٹکڑے ۲۸ اکتوبر کا وہ خونریز واقعہ دیکھ

سے چکے تھے جس میں سیہ رو جنرل کینوا نے ننھے ننھے معصوم ماؤں کے کلیجوں سے چھین کر سنگینوں کی نوک پر بھون دیے ان بچوں کی گریہ وزاری اور مامتا کی ماریوں کے بین جس نے تمام روئے زمین پر تہلکہ مچا دیا یورپ کی دیواروں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس ہوئے اور صاحب اولاد یورپ نے اپنے بچوں کو گود میں لے کر ان بیکسوں کے ذبح ہونے کا تماشہ دیکھا اس لیے اس قطرہ کا سرزمین طرابلس پر پہونچنا اس سیہ گھٹا کو جس نے مہینوں اس ننھے سے قطرہ کو پیٹ میں رکھ کر خون جگر سے سینچا گوارا نہ ہوا مگر ننھے سے دماغ میں سیر کا سودا سما چکا تھا۔ ماں باپ کی منت سماجت پیش نہ گئی اور یہ قطرہ فضائے عالم میں اُڑتا زمین کی طرف چلا ایک ننھی سی بوند جو مہینوں اس کے ساتھ رہی تھی اپنے مدتوں کے رفیق کا ساتھ نہ چھوڑ سکی اور وہ بھی اس کے ساتھ ہی روانہ ہوئی۔

چھوٹا سا قطرہ اور ننھی سی بوند دونو بہن بھائی جن کے سر پر ہوا کے جھکڑوں کے سوا اب کوئی والی وارث نہ تھا اس قیامت خیز رات میں جس نے اچھے اچھے مردوں کے کلیجے دہلا دیے تھے ذوق وشوق سے اپنا سفر طے کر رہے تھے۔ نادانی ان سے وطن چھین ماں کی گود اور بالک ہٹ بزرگوں کا ساتھ چھڑا چکی تھی ہوا اپنے ہنڈولے میں ان ننھی سی جانوں کو جھونکے دے دے کر جھلا رہی تھی زمین نے اپنی کشش شروع کی اور دونو معصوم مچلتے مچلاتے اسی دامن کوہ میں پہنچے جہاں محبت و مصیبت کی تصویر گذری ہوئی راتیں اور بیتے ہوئے دن یاد کر رہی تھی۔

زمین اپنے ننھے ننھے مہمانوں کی مدارات میں کمی نہ کر رہی تھی اور گو ہوا نے اپنے فرائض نہایت توجہ سے پورے کیے مگر ماں کی محبت بھری نگاہیں میسر نہ آسکیں۔ ادھر زمین منہ کھولے بیٹھی تھی تو ادھر صدف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر

تک رہی تہی یہ سماں ہوا چاروں طرف اداسی چھائی پھر رہی تھی تو وہاں سمندر زور شور
سے بہتا چلا جا رہا تہا ابر سیہ کی معصوم جانیں عجب کشمکش میں تہیں ہر لمحہ وطن سے
دور اور پردیس سے قریب کر رہا تہا۔ ہوا کے فراٹوں نے نازک جسموں پر ٹھڑیاں
ڈالدیں اور حالت یاس میں ان دونوں نے آسمان کیطرف سر اٹھا کر دیکھا مگر بے سود
تہا۔ آنکھ سے آنسو نکل پڑے مگر اب ان آنسوؤں کو پونچھنے والا کون تھا
آخر وہ وقت آپہونچا کہ دونو آسمانی مسافر زمین پر داخل ہوں ماں کا بچھوا یاد کر کے
دونوں نے ایک دوسرے کے گلے میں بانہیں ڈالدیں اور طرابس کی اس
دیوی کی نازک پیشانی کو بوسہ دیا +

کئی گھنٹوں کے مسلسل استغراق کو بوسے نے حرکت دی خاتون بدنصیب نے
ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور ان آسمانی مسافروں کو پیشانی سے اتار کر ہاتھ پر لیا
ان کی صورت دیکھتے ہی جس پر بچپن اور غریب الوطنی برس رہی تہی اس کی
آنکھ سے آنسو نکل پڑے۔

دونو بہن بہائی جو یہ سمجھے ہوئے تہے کہ آغوش مادر کی بوالہوسی دنیا اس درجہ کے
اسے گی خاتون کی یہ حالت دیکھ کر چونک اٹھے مگر جب یہ دیکھا کہ ان ہی کے
ہمجنس ان ہی کے ہم عمر اس خاتون کی آنکھ سے بہی پیدا ہو رہے ہیں تو
ان کی ہمدردی اور زیادہ بڑھ گئی۔ خاتون کی محبت بھری نظریں دونو بہن
بھائیوں پر گڑی ہوئی تہیں غور و تعمق کی نظر سے وہ تہوڑی دیر ان کو دیکھتی رہی
اور پھر اس طرح کہنے لگی،

معصوم پردیسیو! کس باغ کے پھول اور کس ماں کے لال ہو؟ کہ اس
اندھیری گھپ رات میں ماں کا بچھوا چھوڑ جنگل جنگل کی خاک چھان رہے ہو
خدارا کسی اور سمت کا رخ کرو اور اس سرزمین سے نکلو جہاں خونخوار بھیڑئے

چاروں طرف منڈلا رہے ہیں اور جن کی بیدردی نے مجھکو مخبوط الحواس بنا دیا کامل تین رات سے میں اپنی اس جھونپڑی کو ڈھونڈھتی پھر رہی ہوں جس کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور اب اس کا نام و نشان تک نظر نہیں آتا۔

بچو! تم ایک خانماں برباد بیوی، اور ایک ناشاد ماں کے مہمان ہو آ کر میرے کلیجہ سے لگ جاؤ کہ ظالم تمکو دیکھ نہ سکیں، پیارے مہمانو، بھوکے پیاسے معصومو، میری چھاتی منہ میں لو، دو دن کا رکا ہوا دودھ اتر آئے گا، تم ہی جیسا لال پرسوں اس سرزمین پر میرے کلیجہ سے چھوٹا ہے، مجھ دکھیاری کو اپنی ماں سمجھو، گو مسلمان نہیں ہو، مگر صاحب اولاد ماں کی گود میں ہو، اس گود کو ماں کی گود جانو آؤ پیار دلیپٹ جاؤ اور پیٹ بھر لو، متواتر فاقوں اور پے در پے صدمات نے مردہ بنا دیا اور آن پوہنچا ہے وہ وقت کہ جس بدنصیب کو ماں سمجھکر آئے ہو وہ تم جیسے پیارے معصوموں کو اس بیابان میں تنہا چھوڑ کر ختم ہو جائے، بچو! خدا تمھاری عمر دراز کرے، زندہ رہو خوش رہو، بچ گئے تو شمال مشرق کے نخلستانوں میں جانا ہزاروں کلمہ گو انسان ایسے دیکھو گے جو مجھ سے بدتر حالت میں زندگی بسر کر رہے ہیں، جی سچ تو میرا یہ پیغام جہاں جہاں جاؤ پوہنچاتے جانا۔

"طرابلسی مسلمان مسلمانوں کے محتاج ہیں"

خاتون کے الفاظ یہیں تک پوہنچے تھے کہ زیتون کے درخت پر سے جو سر پر تھا بلبل خوش الحان چلا کر اڑی اور یہ کہتی ہوئی چلی،

اے طرابلسی دولہن پہاڑ میں چھپ جا۔ قزاق سر پہ آ پوہنچے، بلبل بمشکل تمام چند گز پوہنچی ہوگی کہ ایک ایطالوی مسلح جوان اس کے سر پر تھا صبح کا سہانا وقت ظالم نشہ جوانی میں چور بھولی بھالی صورت دیکھتے ہی دیوانہ ہو گیا او

طرابلسی حسینہ اپنے پچھلے جھگڑوں کو بھول جا اور خوش ہو کہ اب ایطالیہ کے ایک بہادر سپاہی کی محبوب بنتی ہے یہ کہکر جوان آگے بڑھا ہاتھ بڑھایا کہ نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے۔

خاتون "۔ خبردار! نابکار اگر ہاتھ لگایا ہوگا دور ہٹ، میرے سینے سے وہ دو طفلال چمٹے ہوئے ہیں جن کے سر پر کوئی والی وارث نہیں دور ہو جا سامنے سے مردود ازلی اب ایسا لفظ زبان سے نہ نکالیو۔

ایطالی جوان کا جواب وہ خنجر آبدار تھا جس نے دامن کوہ میں طرابلس کی سرزمین دو معصوم اور ایک مظلوم کے خون سے لال کر دی۔

~~~

یورپ کا سنگدل آفتاب ان تینوں لاشوں کو دیکھ کر مسکرایا اور صبح کھلکھلا کر ہنس پڑی درخت، درختوں کے پتے ان بیگناہوں پر خون رو دئے چشموں نے ان پر آنسو گرائے پہاڑ نے اپنا سایہ کیا اور ہوا نے انکی لاشوں کو پنکھا جھلا۔

انسان اشرف المخلوقات ہے مگر طرابلس کے گدھ یورپ جیسے انسانوں سے بہت زیادہ مہذب اور صاحب فراست نکلے جسوقت ان کی جماعت ان معصوموں سے پیٹ بھرنے آئی ہے معصوموں کے چہرے اور مظلوم کی صورت دیکھ کر ان کا جی بھر آیا انہوں نے مل کر ایک کمیٹی کی ایطالیہ، اور ایطالیہ کے حمایتوں پر لعنت کے ووٹ برسائے اور ان تینوں لاشوں کو لیکر بیت المقدس پہونچے

آدھی رات کا وقت ہوگا کہ ان گدھوں نے یہ لاشیں صلیب عیسوی کے سامنے لا کر رکھیں میں نے غور سے دیکھا کہ صلیب ان بیگناہوں کی معصومیت پر لرز گئی اور اس کے اس حصہ سے جو کہ سوئے آسمان کیطرف تھا یہ الفاظ سنائی دئیے

"تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک"

حضرات و بیگمات آپ موجودہ حالات کا زیادہ رنج نہ کریں جو کچھ آپ کی آنکھ سے گذر رہا ہے یہ عکس ہے ان واقعات کا جو انسانی دنیا کو باستثناء برطانیہ یورپ کے ہاتھوں پیش آ رہے ہیں نگاہیں نیچے کیجئے۔ اور دیکھئے یہ کارزار طرابلس آنکھ کے سامنے ہے گلستان کے ہر حصہ سے نالوں کی آوازیں آ رہی ہیں اور یہ تمام یورپ ہے جہاں ان نالوں پر قہقہے لگ رہے ہیں۔ "ایڈیٹر"
~~~

معاوضۂ مضامین

پچھلے پرچہ میں ہم نے تمدن کی تقطیع اور ضخامت میں اضافہ کی تجویز ناظرین "تمدن" کے سامنے اس شرط پر پیش کی تھی کہ وہ توسیع اشاعت میں حصہ لیں اور اگر تمام خریدار نہیں تو کم از کم وہی حضرات جو سالانہ ایک ایک دو دو خریدار فراہم کر سکتے ہیں ہمارے مرسلہ کارڈ خانہ پری کے بعد واپس کر دیں اس تجویز کا نتیجہ کیا ہوا اس کا ذکر فضول ہے البتہ وہ کرمفرما جو ہمیشہ سے تمدن کی اشاعت میں اعانت کر رہے ہیں اس موقعہ پر بھی غافل نہ ہوئے اور ہم ان کے اس خلوص کا شکریہ ادا کرنے کے بعد انکو یقین دلاتے ہیں کہ وہ انشاء اللہ جلد اپنے پرچہ کی تقطیع اور ضخامت میں اضافہ دیکھیں گے +

ہم اہل قلم حضرات کا جنھوں نے سال گذشتہ میں ہمارا ہاتھ بٹایا۔ آج پھر شکریہ ادا کرتے ہیں اور گو تمدن کی مالی حالت اس قابل نہ ہو لیکن اب ہماری رائے میں تمدن کو کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ محض مروت اور خوشامد سے مضمون حاصل کرے قابل نامہ نگار دماغ سوزی سے محنت اور تحقیق سے تکلیفیں اٹھا کر مضمون لکھیں اور تمدن اس کا معاوضہ نقد شکریہ سے ادا کر دے۔ اس لیے ہم اس پرچہ سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ آئندہ پانچ سے پندرہ روپیہ تک کا ایک دو یا تین (معاوضہ نذرانہ) شکرانہ حضرت کی خدمت میں پیش کریں گے۔ جو کمیٹی اس امر کا فیصلہ کرے گی کہ اس پرچہ میں کون سا مضمون کس معاوضہ کا مستحق ہے۔ اس کے مجتمعہ

حضرات ذیل ہیں :-

ڈاکٹر مفتی محمد مشرف الحق صاحب - ایم اے - پی ایچ - ڈی -

پروفیسر میرزا محمد سعید صاحب ایم اے -

مولوی سید اشرف حسین صاحب -

پروفیسر مشتاق احمد صاحب زاہدی - بی - اے -

ایڈیٹر -

نامہ نگار حضرات سے التماس ہے کہ وہ براہ کرم مضمون کے ساتھ ہی یہ بھی تحریر فرماویں کہ وہ اپنے مضمون کا معاوضہ پسند کرتے ہیں یا نہیں کیونکہ ہماری دلی خواہش ہے کہ ہم کوئی ایسا مضمون (سوا ان چند حضرات کے تمدن جن کا اپنا پرچہ ہے) درج نہ کریں جس کا معاوضہ نہ دیا گیا ہو اور امید ہے کہ انشاء اللہ آپ اس اصول پر جلد کاربند ہوں گے +

لغات جدیدہ

مولوی سید سلیمان صاحب ماڈرن عربک پروفیسر دار العلوم نے اس کتاب میں تقریباً ان چار ہزار عربی الفاظ کی تشریح فرمائی ہے جو آجکل عربی میں مستعمل ہیں - علاوہ عربی خواں طلبار کے استفادہ کے یہ کتاب خصوصیت سے حضرات کے واسطے مفید ہوگی جو عربی جرائد کے مطالعہ کا شوق رکھتے ہیں - ہمیں امید ہے کہ مولانائے موصوف کی یہ محنت ملک میں وقعت سے دیکھی جائیگی قیمت عہ

مولانا صاحب سے ندوہ لکھنؤ کے پتہ سے مل سکتی ہے